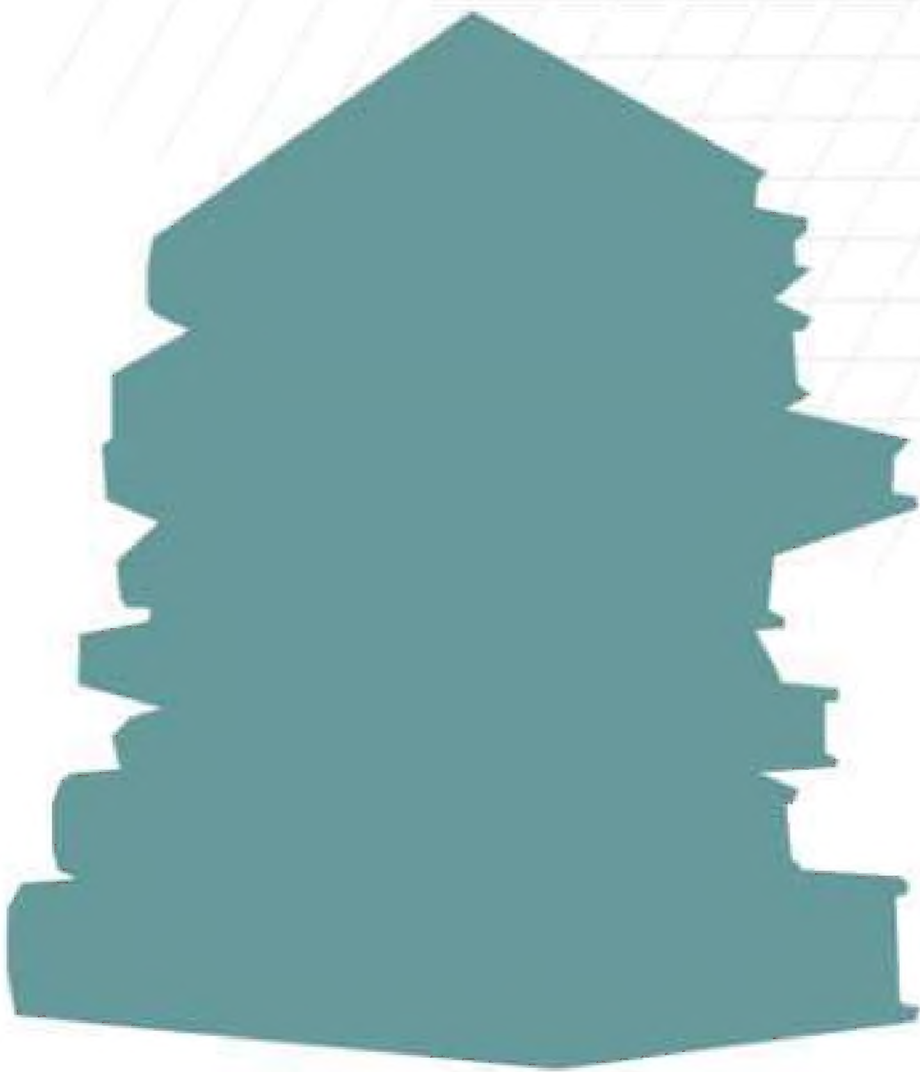
حیاتِ بندہ نوازؒ

مصنف :-

احمد ادریس قادری

ایم۔ اے ال ال۔ بی (عثمانیہ)



حیاتِ بندہ نوازؒ

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے حالات زندگی اور تصانیف پر تبصرہ

مصنف

احمد ادریس قادری

ام۔ اے۔ ال ال۔ بی (عثمانیہ)

اشاعت — بار اول

تعداد — ایک ہزار

مطبع — انجمن پریس

قیمت — [redacted] [redacted]

۱۹۶۵ء

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رح کے ۵۵۹ ویں عرس مبارک کے موقعے پر

ملنے کا پتہ

۱۸۹ ـ حیدر آباد کالونی کراچی نمبر ۵

حاصلِ عمر نثارِ رہ یارے کردم
شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

پیش لفظ

حیاتِ بندہ نوازؒ جو حضرت سید محمد الحسینی خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کی سوانحِ حیات ہے آج سے (۲۰) برس پہلے تکمیل پا چکی تھی۔ لیکن اس کی اشاعت کسی نہ کسی وجہ سے ملتوی ہوتی رہی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ۱۹۶۵ عیسوی کا یہ سال اور حضرتِ خواجہؒ کے عُرسِ کراچی کا یہ مبارک موقعہ ہی اس کی اشاعت کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالکؔ

حضرتِ مخدومؒ کی ذات جامع الصفات تھی آپ نہ صرف ولی کامل صوفیٔ باخُدا اور اہلُ اللہ تھے بلکہ اپنے وقت کے جیّد عالم اور کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ بقول علّامہ سلیمان ندویؒ "سید گیسو درازؒ" کو خاندانِ چشتیہ کا سلطانِ قلم کہنا چاہیئے" اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسرار و رموز کے بیان کرنے کی بے پایاں قدرت عطا کی تھی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں "ہر کس کہ در آں حضرت سلوک کرد چیزے مخصوص شُد ما بہ سخن مخصوصیم" تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حضرت نے اپنی (۱۰۵) سالہ زندگی میں (۱۰۵) کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان میں سے بیشتر کتابیں عرصۂ دراز تک نایاب رہیں لیکن تلاش و جستجو کے بعد ہندوستان کے مختلف کتب خانوں سے اب تک (۲۳) کتابیں دستیاب ہو چکی ہیں۔ اور تشنگانِ علم کے ذوق و شوق سے اُمید بندھتی ہے کہ آئندہ ان کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔

خواجۂ گیسو درازؒ اردو زبان کے پہلے نثر نگار ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اُردو نثر کے اِس معمار اوّل کی زندگی پر کوئی جامع اور مبسوط سوانح اُردو زبان میں نہیں ملتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دو تین مختصر

رسائل حضرت کی زندگی پر شائع ہو چکے ہیں مگر انہیں مستقل اور مبسوط سوانح نہیں کہا جا سکتا۔

صوفیاء اور اولیائے کرام کے بارے میں جو تذکرے دستیاب ہیں ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ تذکرہ نویسوں نے ان بزرگوں کے کشف و کرامات اور مجاہدات پر زیادہ توجہ کی ہے اور اُن کی بابرکت حیات کے اُس پہلو پر زیادہ روشنی نہیں ڈالی جو اُن کی معاشرتی اور دینی خدمات سے متعلق ہے۔ تبلیغ اور اشاعتِ دین کے لئے انہوں نے کیا کیا، عامتہ الناس سے وہ کس طرح میل جول رکھتے تھے، معاشرے کی اخلاقی اصلاح کے لئے انہوں نے کیا قدم اٹھائے، علم و عمل میں کس طرح مناسبت پیدا کی اور سرزمینِ ہند و پاک میں اسلام کے قیام و قرار میں کن اصولوں کو پیشِ نظر رکھا۔ اِن سوالات کے تشفی بخش جواب کسی تذکرے میں نہیں ملتے۔

زیرِ نظر کتاب کی ترتیب کے وقت میرے پیشِ نظر کچھ ایسے ہی سوالات رہے۔ تاریخ و سیر کی تقریباً اُن ساری کتابوں کا جو میری دسترس میں تھیں بغور مطالعہ کرنے کے بعد میں نے اس کتاب کے لئے مواد فراہم کیا ہے۔ اگر یہ حقیر طالبعلمانہ کاوش اہلِ نظر میں تحقیق و جستجو کی اُمنگ پیدا کر دے تو میری سعی مشکور ہو گی۔

احمد ادریس قادری

فہرست مآخذ مقالہ بلحاظ حروف تہجّی

نام نشان سلسلہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تالیف	سنہ طباعت و مقام	کتب خانہ
۱۔	اخبار الاخیار (فارسی)	سید عبد الحق محدث دہلوی	۱۳۱۹ھ	مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۳۲ھ	جامعہ عثمانیہ
۲۔	ارمغان سلطانی (اردو)	محمد سلطان	۱۳۱۹ھ	مفید عام آگرہ سنہ ۱۹۰۲ع	جامعہ عثمانیہ
۳۔	اسمار الاسرار (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	۸۰۳ تا ۸۲۵ھ	اعظم اسٹیم حیدرآباد (۱۳۵۰ھ)	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۴۔	انیس العشاق (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	—	حیدرآباد ۱۳۶۰ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۵۔	برہان مآثر (فارسی)	سید علی طباطبا	۱۰۰۰ھ	جامعہ دہلی ۱۳۵۵ھ	جامعہ عثمانیہ
۶۔	برہان العاشقین (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	—	حیدرآباد ۱۳۶۰ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۷۔	تاریخ الاولیاء (اردو)	سید امام الدین احمد	۱۲۹۱ھ	بمبئی ۱۲۹۹ھ	جامعہ عثمانیہ
۸۔	تاریخ فرشتہ (فارسی)	ابو القاسم فرشتہ	۱۰۱۵ھ	قلمی نسخہ	جامعہ عثمانیہ

نشان سلسلہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تالیف	سنہ طباعت ومقام	کتب خانہ
۹	تبصرۃ الخوارقات (فارسی)	من اللہ بن علی اللہ	۹۰۱ھ	قلمی نسخہ	سید عطا حسین صاحب
۱۰	تذکرہ اولیاء دکن (اردو)	عبدالجبار	—	—	جامعہ عثمانیہ
۱۱	تاریخ حبیبی (فارسی)	بہ عہد احمد شاہ بہمنی جلوس ۸۲۵ھ	—	قلمی نسخہ	سید عطا حسین صاحب
۱۲	تذکرۃ الاولیاء (اردو)	مرزا محمد اختر علی	—	دہلی ۱۹۲۸ء	جامعہ عثمانیہ
۱۳	ترجمہ آداب المریدین (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	۸۱۳ھ	حیدرآباد ۱۳۵۸ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۱۴	تفسیر سورہ فاتحہ (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	—	حیدرآباد ۱۳۶۰ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۱۵	جوامع الکلم (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	۸۰۲ د ۸۰۳ھ	کانپور ۱۳۵۶ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۱۶	خظائر القدس (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	۸۰۳ھ	حیدرآباد ۱۳۵۹ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۱۷	حدائق الانس (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	—	حیدرآباد ۱۳۶۰ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۱۸	خاتمہ (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	۸۰۷ھ	حیدرآباد ۱۳۵۶ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۱۹	روضۃ الاولیاء (فارسی)	غلام علی آزاد بلگرامی	۱۱۶۱ھ	اورنگ آباد ۱۳۱۰ھ	جامعہ عثمانیہ

نشان سلسلہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تالیف	سنہ طباعت ومقام	کتب خانہ
۲۰۔	رسالہ مراقبہ (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	—	حیدرآباد ۱۳۶۰ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۲۱۔	رسالہ افکار چشتیہ (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	—	حیدرآباد ۱۳۶۰ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۲۲۔	رسالہ در مسئلہ رویت باری تعالیٰ	خواجہ بندہ نواز	—	حیدرآباد ۱۳۶۰ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۲۳۔	سیر محمدی (فارسی)	محمد علی سامانی	۸۳۱ھ	الہ آباد ۱۳۴۷ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۲۴۔	شرح رسالہ قشیریہ (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	۸۰۷ھ	حیدرآباد ۱۳۶۱ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۲۵۔	شرح بیت خسرو (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	—	حیدرآباد ۱۳۶۰ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۲۶۔	لطائف اشرفی (فارسی)	حاجی غریب	۷۵۰ تا ۷۸۰ھ	دھلی ۱۹۲۸ء	جامعہ عثمانیہ
۲۷۔	مراۃ الاسرار (فارسی)	عبدالرحمن چشتی	۱۰۴۵ھ	قلمی نسخہ	سید عطا حسین صاحب
۲۸۔	محمد شاہ بن تغلق (اردو)	پروفیسر آغا مہدی حسین (آگرہ)	—	—	جامعہ عثمانیہ
۲۹۔	مکتوبات بندہ نواز (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	جمع شدہ ۸۵۲ھ	حیدرآباد ۱۳۶۲ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین
۳۰۔	وجود العاشقین (فارسی)	خواجہ بندہ نواز	—	حیدرآباد ۱۳۶۰ھ	ڈاکٹر محمد نظام الدین

فہرست تصانیف فارسی حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ

نشان سلسلہ	نام تصنیف	سنہ تصنیف	مضمون	سنہ طباعت	مقام طباعت
۱-	اسرار الاسرار	۸۰۳ تا ۸۲۵ھ	تصوف	۱۳۵۰ھ	حیدرآباد
۲-	انیس العشاق	—	دیوان	۱۳۶۰ھ	"
۳-	ترجمہ آداب المریدین	۸۱۳ھ	تصوف	۱۳۵۸ھ	"
۴-	جوامع الکلم	۸۰۲ تا ۸۰۳ھ	ملفوظات	۱۳۵۶ھ	کانپور
۵-	خظائر القدس	۸۰۳ھ	تصوف	۱۳۵۹ھ	حیدرآباد
۶-	خاتمہ	۸۰۷ھ	تصوف	۱۳۵۶ھ	"
۷-	شرح رسالہ قشیریہ	۸۰۶ھ	تصوف	۱۳۶۱ھ	"
۸-	مکتوبات بندہ نواز	جمع کردہ ۸۵۲ھ	خطوط	۱۳۶۲ھ	"
۹-	مجموعہ یازدہ رسائل	—	تصوف	۱۳۶۰ھ	"

فہرست ابواب مقالہ

تمہید

فارسی ادب اور خصوصاً تصوف کی تاریخ سے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ؒ کا تعلق اتنا گہرا ہے کہ بغیر آپ کے کارناموں کے ذکر کے تصوف کا ارتقا نامکمل رہ گیا۔ یوں تو بحیثیت ایک بزرگ اور ولی کے ہندوستان اور خصوصاً دکن میں آپ کافی شہرت اور مقبولیت رکھتے ہیں۔ نیز ہر سال گلبرگہ شریف میں جہاں آپ کا مزار ہے بڑے دھوم دھام سے آپ کا عرس منایا جاتا ہے لیکن حقیقی معنوں میں آپ کی شخصیت ان چیزوں سے بہت بالا و برتر ہے۔ بزرگان دین و دیگر ارباب قلم نے تصوف کے مسئلہ مسائل سمجھانے میں اتنی کد و کاوش نہیں کی جتنی کہ خواجہ صاحب نے کی ہے۔ لیکن افسوس کہ بہت ہی کم حضرات ان کو اس حیثیت سے جانتے ہیں۔ آپ جیسا کہ خود "جوامع الکلم" میں فرماتے ہیں۔ "ہر کس کہ در آں حضرت سلوک کرد بچیزی مخصوص شد ما بہ سخن مخصوصیم" اس کے باوجود یہ امر قابل غور ہو جاتا ہے کہ تمام ادبی تاریخ کے لکھنے والوں نے آپ سے بے اعتنائی کی ہے اولیاء کے تذکروں میں آپ کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن جیسا کہ عام ہندوستانی رواج ہے۔ بلا تحقیق صرف روایتوں کی بنا پر چند سطروں میں اپنی عقیدت کے پھول چڑھا دیتے ہیں۔

حضرت کے متعلق تحقیق کی اس بے مائگی نے مجھے اس موضوع کے انتخاب کی ترغیب دی۔ اس انتخاب کا دوسرا محرک یہ تھا کہ مشرق مغرب کی تقلید میں تبدیل

مادیت پرست ہوتا جارہا ہے۔ اور وہ اپنی پرانی روحانیت کو جو اس کے فخر کا باعث ہے بھولتا جارہا ہے۔ ایسی صورت میں زمانہ کا اقتضا تھا کہ میں ایسی شخصیت کا انتخاب کروں جو روحانیت اور خصوصاً تصوف کا جو روحانیت کا مبدا ہے رکن رکین ہو۔ ایسی ہستیاں بہت سی مل جا سکتی تھیں لیکن انتخاب میں ادبی پہلو کو بھی دخل تھا اس لئے خواجہ صاحب کو جو روحانیت اور خصوصاً تصوف نیز ادب کے گنگا جمنی سنگم کا بہترین نمونہ ہیں منتخب کیا گیا۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ تصوف اور حضرت کے تمام تصانیف کو گہری نظر سے دیکھا جائے۔ لیکن ایک طرف حضرت کے صوفیانہ خیالات کا سمندر لہریں مار رہا تھا جو اسرار الٰہی اور رموز حقیقت کے موتیوں سے پُر تھا تو دوسری طرف یہ کم مایہ اور ناتجربہ کار شناور جو ابھی ساحل کے خزف ریزوں سے بھی واقف نہیں موتیوں کے حصول کی کوشش میں تھا۔ کیسے ممکن تھا کہ قلیل مدت میں اس کار عظیم سے عہدہ برآ ہوسکے۔ بہ ایں ہمہ حضرت کے زندگی کے حالات اور حضرت کی کتابوں سے سرسری لیکن صحیح طور پر روشناس کرنے میں یہ خاکسار اپنی حد تک ضرور کامیاب ہوگیا چنانچہ میں نے سنین اور واقعات کے درج کرنے میں کافی تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے۔

مآخذ جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے حضرت کے حالات وغیرہ کے متعلق تذکرہ و تاریخ نویس بہت ہی اختصار سے کام لیتے ہیں۔ لیکن خوش قسمتی سے چند ایسے مآخذ کا ہمیں پتہ چلا ہے جو ہم عصر ہونے کے علاوہ صرف حضرت مخدوم کی ذات کے لئے مختص ہیں۔ ان کتابوں میں "سیر محمدی" کو استناد کا درجہ حاصل ہے۔ کتاب مذکور محمد علی سامانی کی تصنیف ہے جو حضرت کے مرید تھے اور سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے۔ چنانچہ دہلی سے دولت آباد کے سفر میں حضرت کے ہم رکاب تھے۔ مرید مذکور نے اس کتاب کو سنہ ۸۳۱ھ میں لکھا۔ دوسری کتاب "تاریخ حبیبی" ہے جس کو حضرت کے ایک مرید

(نام نامعلوم) نے احمد شاہ دلی کی فرمائش پر انتقال کے چند ہی دن بعد لکھا۔ مصنف کا حضرت کا مرید ہونا اس کی ہم عصری کو ثابت کرتا ہے۔ تیسری کتاب "تبصرۃ الخوارق" ہے جو حضرت کے مختصر حالات اور کشف و کرامات پر مشتمل ہے۔ مصنف (نامعلوم) نے اس کو قریب ترین عہد یعنی سنہ ۹۰۱ ہجری میں لکھا۔

ان مستقل مآخذوں کے علاوہ بعض دوسرے تذکروں اور تاریخوں میں بھی حضرت کے حالات کہیں کہیں مل جاتے ہیں۔ ان میں قابل ذکر "لطائف اشرفی" مصنفہ حاجی غریب یمنی۔ "اخبار الاخیار" مصنفہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔ "مراۃ الاسرار" مصنفہ عبدالرحمن چشتی۔ "تاریخ فرشتہ" مصنفہ ابوالقاسم فرشتہ۔ "برہان مآثر" مصنفہ سید علی طبا طبا وغیرہ قابل ذکر ہیں جن کا ذکر وقتاً فوقتاً مقالہ کے حاشیوں میں کیا گیا ہے۔ نیز بلحاظ حروف تہجی و سنین ان کی فہرست بھی دیجا چکی ہے۔

ان تمام مستند مآخذوں کے علاوہ خود حضرت کی تصنیفات سے بھی مدد لی گئی ہے خصوصاً "جوامع الکلم" اسمار الاسرار" اور مکتوبات بندہ نواز" وغیرہ ہیں چند واقعات کا ضمناً پتہ چلتا ہے۔ ان سے دیگر سوانح نگاروں کے واقعات کے تطبیق میں بہت مدد ملتی ہے۔

تنقیدی نقطہ نظر سے مقالہ کو مندرجہ ذیل ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) حضرت کی سوانح حیات (۲) حضرت کے خصائل۔ کشف و کرامات اور خدمت خلق (۳) تبصرہ تصانیف حضرت خواجہ (۴) حضرت کے متصوفانہ کارنامہ کا خلاصہ۔

یہ مقالہ عالی جناب ڈاکٹر محمد نظام الدین صاحب صدر شعبہ فارسی و ناظم دارالترجمہ و تالیف کی نگرانی میں لکھا گیا ہے۔ موصوف اپنے علمی

تبحر اور جدید ریسرچ میں عالمگیر شہرت کے حامل ہیں۔ میں جناب والا کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے باوجود اپنی مصروفیتوں اور عدیم الفرصتی کے میری دستگیری فرمائی اور وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے سرفراز فرمایا۔ اگر موصوف ہمہ تن میری مدد نہ فرماتے تو میں اس بارگراں کا متحمل نہ ہوتا۔

دوسری ہستی مولوی عبدالحمید خانصاحب ریڈر شعبہ فارسی کی ہے جو ادبی ذوق اور اپنی وسیع النظری کی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ صاحب موصوف نے اس مقالہ کے آخری دو باب میں اصلاح اور مشوروں سے میری اعانت فرمائی ہے جس کے لئے میں ان کا بیحد مشکور ہوں۔

میری یہ تمہید مکمل نہ ہوگی اگر میں مولوی سید عطا حسین صاحب ناظم تعمیرات حیدرآباد (وظیفہ یاب) کا شکریہ ادا نہ کروں۔ مولانا کو خواجہ صاحب سے خاص عقیدت ہے۔ آپ ہی کی کوششوں اور نواب غوث یار جنگ بہادر (سابق صوبہ دار گلبرگہ) کے حسن انتظام سے خواجہ صاحب کی اکثر کتابیں جو امتداد زمانہ سے معدوم ہوتی جارہی تھیں۔ تصحیح تحشیہ کے بعد معرض وجود میں آئیں۔ مولوی عطا حسین صاحب کا میں بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے نہ صرف خواجہ صاحب کے مآخذ تک میری رسائی کی بلکہ اپنے چند قلمی اور بیش بہا نسخوں سے مجھے مستفید ہونے کا موقع دیا۔ اور اس نیک کام میں میری اعانت فرمائی۔ فقط

باب اوّل

دور اوّل

از ولادت تا تکمیل علوم ظاہری (سنہ ۷۲۱ تا ۷۴۰ھ)

اسم گرامی سید محمد حسینی نام صدر الدین[1] لقب اور ولی الاکبر الصادق خواجہ[2] بندہ نواز گیسو[3] دراز کی عرفیت سے آپ موسوم ہیں۔

ولادت حضرت مخدومؒ کی ولادت باسعادت کی تاریخ میں بہت اختلاف ہے۔ سنہ ولادت کے اہم ترین ماخذ جس میں "سیر محمدی" کو درجہ استناد حاصل ہے اس میں مذکور ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت دہلی میں چوتھی رجب المرجب سنہ ۷۲۱ھ میں ہوئی۔ صاحب سیر محمدی نے اپنے دعوے کے اثبات میں دو تین دلائل بھی پیش کئے ہیں جنہیں من و عن

---

[1] خواجہ صاحب کے صدر الدین لقب اختیار کرنے کے بارہ میں "تبصرۃ الخوارقات" میں نقل نمبرا درج ہے کہ ایک وقت خواجہ احمد دبیر و قاضی راجا رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت مخدومؒ (یعنی خواجہ بندہ نواز) سے اس بارے میں استفسار کیا۔ حضرت مخدومؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک وقت شیخ الاسلام حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ سے سب مریدوں نے عرض کی کہ آپ سید محمدؒ کو ہم سب پر کیوں فوقیت دیتے ہیں۔ شیخ الاسلام نے تمام مریدوں کو برائے جواب دوسرے دن آنے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرید جمع ہوئے

پیش کیا جاتا ہے۔

بدآنکہ تولد حضرت مخدوم قطب الاقطاب سید محمد حسین الحسینی گیسودراز رضی اللہ عنہ در دہلی چہارم ماہ	"معلوم ہونے کہ حضرت قطب الاقطاب سید محمد حسینی الطینی گیسودراز قیام دہلی ۴ رجب المرجب ۷۲۱ھ پیدا ہوئے

حسب ارشاد تمام مریدوں نے مراقبہ میں دیکھا کہ حضرت مخدوم کا درجہ اتنا اعلیٰ وارفع ہے کہ آپ عرش کے کنگروں کے پاس منڈلا رہے ہیں۔ نیز دیکھا کہ وہاں پر ایک محل ہے جس میں ایک بہت ہی عمدہ اور خوش سلیقہ تخت رکھا ہے۔ تخت پر ایک نورانی شکل متمکن ہے اور تمام اولیاء اللہ کی ارواح گرد میں جمع ہے۔ حضرت رسالت پناہؐ بھی تشریف فرما ہیں۔ اسی اثناء میں ملائکہ نے خبر دی کہ سید محمد حاضر ہیں آنحضرتؐ نے آپ کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ نورانی شکل پر بیٹھ جاؤ۔ حضرت مخدومؒ نے جواباً عرض کیا کہ تمام ارواح نیچے بیٹھی ہیں میں اوپر بیٹھنے کی کس طرح جسارت کرسکتا ہوں۔ اس پر خود آنحضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے آپ کو بٹھایا اور فرمایا کہ یہ میرا دین ہے اور دین۔ اس واقعہ کو دیکھ کر تمام مریدوں نے آپ کا رتبہ جان لیا اور جب سے آپ صدر الدین مشہور ہو گئے (تبصرہ۔ الخوارقات نقل نمبر ۱)

(۲) اس عرفیت کے بارے میں سیر محمدی صفحہ ۳۷ (مطبوعہ میں یہ تحریر درج ہے۔ "حضرت مخدوم (مراد خواجہ بندہ نواز) رضی اللہ عنہ را خطاب من جانب اللہ ولی الاکبر بود۔ قطب ابدال شیخ نورالدین ایشاں را سید محمد صادق خواندگی

(۳) تبصرۃ الخوارقات میں درج ہے کہ جو کچھ حضرت کو پیر و مرشد کے پاس سے یا لنگر خانہ سے ملتا آپ سب غریبوں میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اپنے آرام پر دوسروں کا آرام مقدم سمجھتے تھے۔ اس اعلیٰ صفت کی بناء پر پیر و مرشد حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی نے آپ کو بندہ نواز کا لقب دیا جو آج تک زبان زد خاص و عام ہے۔

رجب المرجب بود سنہ ۷۲۱ھ احد و عشرین و سبعمایہ۔ زیرا کہ در سنہ ۸۱۸ھ ثمان و عشر و سبعمایہ کاتب ایں رسالہ

اس لئے کہ ۸۱۸ھ میں اس رسالہ سیر محمدی کا کاتب حسن آباد عرف گلبرگہ شریف میں تھا ۲۰ رجب کو تمام احباب

بقیہ حاشیہ (۲) تبصرۃ الخوارقات (نقل ۲) میں درج ہے کہ ایک وقت حضرت آستانہ پیرو مرشد پر دیر سے منتظر تھے۔ کافی دیر کے بعد پیرو مرشد نے طلب فرمایا۔ خادم باہر آیا اور سید محمد نام لے کر پکارنے لگا۔ اتفاق سے اس دن "سید محمد" نامی تین شخص منتظر تھے۔ تمام اندر جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خادم گھبرایا اور کیفیت پیرو مرشد سے بیان کی۔ پیرو مرشد نے حکم دیا کہ سید محمد گیسو دراز کو بلاؤ۔ جب سے آپ گیسو دراز مشہور ہوگئے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب "اخبار الاخیار" صفحہ ۱۳۱ پر گیسو دراز عرفیت کی دوسری وجہ بتائی ہے۔ اُسی سے غالباً صاحب "مراۃ الاسرار" اور دوسرے تذکرہ نویسوں نے خوشہ چینی کی ہے۔ تحریر من وعن نقل کی جاتی ہے۔

" اورا سید گیسو دراز گویند وجہ شہرت او بہ ایں لقب ہرانچہ شنیدہ شد ایں است کہ روزی او با چندی دیگر از مریدان پالکی شیخ نصیرالدین محمود برداشتہ بودند۔ در وقت برداشتن گیسوئی سید بسبب درازی کہ داشت در پائی پالکی بند شد و او سبب رعایت ادب و استغراق عشق و محبت بہ برآوردن گیسو مقید نشدہ ہم برآ" کہ واقع شد مسافت بعید قطع کرد۔ بعد ازاں کہ شیخ را بر ایں معنی اطلاع افتاد خوش حال شدہ بر صدق عقیدت و حسن صفت او آفرینہا کرد و ہم در حال ایں بیت فرمود۔

ترجمہ " آپ کو سید گیسو دراز کہتے ہیں ۔ اس لقب سے مشہور ہونے کی وجہ جو سنی گئی ہے یہ ہے کہ ایک روز آپ دوسرے اور مریدوں کے ساتھ شیخ نصیرالدین محمودؒ کی پالکی اٹھائے ہوئے تھے۔ اٹھاتے وقت سیّد کے گیسو بہ سبب درازی پالکی کے پایہ میں اٹک گئے اور آپ نے بوجہ ادب و استغراق عشق و محبت گیسو نکالنے کی کوشش نہیں فرمائی اور اسی حالت میں کافی مسافت طے فرمائی۔ بعد میں شیخؒ کو جب اس بات کی خبر ہوئی

سیر محمدی در احسن آباد عرف گلبرگہ شریف بود۔ در چہارم ماہ رجب ہمہ یاراں چنانکہ قاضی راجہ .... (وغیرہم) وقت چاشت پیش حضرت مخدومؒ روش[1] می برند۔ بعضی باسم صدقہ و بعضی تحفہ باسم مبارکبادی۔ کاتب الحروف پرسید امروز چیست کہ یاراں چیزی می برند۔ مولانا بہاؤ الدین امام و مولانا سراج الدین خادم و مولانا نور الدین و مولانا دانیال باری دہان بر ہمہ گفتند کہ امروز سالگرہ حضرت مخدومؒ است۔ کاتب پرسید کہ چند سالہ شدند فرمودند۔ نود و ہفتہ سالہ شدہ ...."

مثلاً قاضی راجہ .... وغیرہ بوقت صبح حضرت مخدومؒ کی خدمت میں نذرانہ پیش کر رہے تھے۔ بعض بطور صدقہ اور بعض بطور تحفہ مبارکبادی۔ کاتب الحروف نے دریافت کیا کہ آج کیا بات ہے کہ احباب طرح طرح کے تحائف لئے جا رہے ہیں۔ مولانا بہاؤ الدین امام و مولانا سراج الدین خادم و مولانا نور الدین و مولانا دانیال باری وہاں سب نے کہا کہ آج حضرت مخدومؒ کی سالگرہ ہے۔ کاتب نے دریافت کیا کہ کیا عمر ہو گئی ہے۔ فرمایا کہ ۹۷ سال ہو چکی ہے۔

اس سے صاحب "سیر محمدی" نے سنہ پیدائش ۷۲۱ھ نکالی۔ علاوہ ازیں مصنف مذکور (۹۸) اٹھانوے سالہ سالگرہ کے موقع پر اپنی نذر پیش کرتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۷) بہت خوش ہوئے اور آپ کی عقیدت و صداقت اور حسن صفت کو سراہا اور اسی حال میں یہ بیت ارشاد فرمائی

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد — واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

(۱) روش — وہ رقم جو مرید اپنے پیر کو بطور نذر پیش کرتے تھے۔

(۲) سیر محمدی صفحہ ۳

(۱) سیر محمدی صفحہ ۵ (۲) تاریخ حبیبی (۳) لطائف اشرفی ص ۳۰۷ جلد (۱)

اس وقت حضرت مخدوم اپنی درازی عمر کے متعلق وجوہات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وبعدہٗ فرمودند (حضرت مخدوم فرمودند) امروز عمر من بعمر شیخ فرید الدین مسعود قریب رسید ایشاں نود وہشت عمر داشتند ازایں حکایت معلوم می شود کہ تولد حضرت مخدوم درسنہ ۷۲۱ھ احد وعشرین وسبعمایہ بود ونیز خدمت قاضی علم الدین بہروچی در ملفوظ حضرت مخدوم کہ خود جمع کردہ است نوشتہ کہ حضرت درماہ صفر سنہ ۸۱۱ھ احدو عشر وثمانمایہ می فرمودہ ندکہ چہار ماہ دیگر ماندہ است کہ من نود سالہ شوم۔ ازایں ہم معلوم می شود کہ تولد ایشان درسنہ ۷۲۱ھ احد وعشر و سبعمایہ بود" (۳)	"اور اس کے بعد فرمایا (حضرت مخدوم) آج میری عمر حضرت شیخ فرید الدین کی عمر کے قریب پہنچ گئی ہے۔ اُن کی عمر ۹۸ سال عمر تھی۔ اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی ولادت ۷۲۱ھ میں ہوئی۔ نیز قاضی علم الدین بہروچی حضرت مخدوم کے ملفوظات میں جو خود اس نے جمع کیا ہے تحریر کیا ہے کہ حضرت نے صفر ۸۱۱ھ میں فرمایا ہے کہ اور چار ماہ رہ گئے ہیں کہ میں نود (۹۰) سال کا ہو جاؤں گا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ۷۲۱ھ میں ہوئی ہے۔

لیکن "تاریخ حبیبی" میں حضرت مخدوم کی ولادت سنہ ۷۲۳ھ بتائی گئی ہے۔ صاحب تاریخ مذکور لکھتے ہیں کہ

"می فرمودند (یعنی حضرت مخدوم) مولود من در دہلی است اندر چہارم ماہ رجب کہ سنہ ثلاث وعشرین وسبعمایہ بود" (۴)

غالباً "تبصرۃ الخوارقات" کے مصنف نے جو سنہ ۹۰۱ھ کی تصنیف ہے اس کتاب کو پڑھ کر سنہ ولادت (۷۲۳) بتایا ہے "لطائف اشرفی" میں ولادت کو سنہ ۷۰۷ھ بتایا گیا ہے چنانچہ سید اشرف جہانگیر سمنانی اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں۔

ولادت وی چہارم ماہ رجب شدہ در سنہ عشرین وسبعمایہ و عمر بکمال یافتہ صد و شش وچہار ماہ نوردہ روزبود» (۵)

« ان کی ولادت ۴ رجب ۷۲۰ھ میں ہوئی اور عمر اپنے کمال کو پہونچی (یعنی وفات پائے) ۱۰۶ برس چار ماہ انیس دن میں »

بعد کے تذکرہ نولیسوں اور تاریخ نگاروں نے ان ہی مذکورہ بالا کتابوں کے حوالے سے سنہ ولادت سنہ ۷۲۰ تا ۷۲۱ھ درج کیا ہے۔

اب ہمیں تحقیق کرنی ہے کہ تینوں روایتوں میں صحیح ترین کونسی ہوسکتی ہے۔
تمام تذکرہ نولیسوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت مخدوم کا وصال ۱۶ ذی قعدہ سنہ ۸۲۵ھ کو ہوا۔ ایسی صورت میں "تاریخ حبیبی" "تبصرۃ الخوارقات" کے مصنفین کی تردید ہوتی ہے۔ جبکہ وہ خود بھی دوسروں کی طرح حضرت کی عمر (۱۰۵) ایک سو پانچ سال بتاتے ہیں کیونکہ سنہ ۷۲۱ھ کی پیدائش کے لحاظ سے حضرت کی عمر کسی طرح اتنی نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ صاحب "تبصرۃ الخوارقات" فرماتے ہیں۔

« العمر صد و پنج سال۔ المصنفات صد و بست و پنج کتاب ساختہ۔ امّا در گلبرگہ سی کتاب تصنیف کردند۔ الوفات در سنہ خمس وعشرین وثمانمایہ۔

« آپ کی عمر ۱۰۵ سال۔ تصنیفات ۱۲۵ کتب۔ لیکن گلبرگہ میں ۳۰ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کی وفات ۸۲۵ھ میں ہوئی۔

بیت

شش دہ بود از ذی القعدہ تاثیر
دوشنبہ وقت اشراق آن جہانگیر
بشستہ رخت ہستی راز دنیا
خرامیدہ بسوی دار عقبیٰ

بیت

ذی قعدہ کی ۱۶ تاریخ بروز دوشنبہ اس ہستی نے اس دنیا سے رخت سفر باندھا اور عقبیٰ کی طرف روانگی فرمائی۔

خود صاحب "تبصرۃ الخوارقات" کی تضاد بیانی ان کے بیان کو غلط ثابت

کر رہی ہے اب رہا سوال سنہ ۷۲۰ھ کے متعلق تو اس سنہ کو سوائے سید اشرف جہانگیر سمنانی کے کسی نے نہیں بتایا اور نہ ہی کسی نے حضرت کی عمر (۱۰۶) سال تسلیم کی ہے۔

قیاس یہ چاہتا ہے کہ حضرت مخدوم سنہ ۷۲۱ھ میں ہی پیدا ہوئے ہونگے سنہ مذکور کے متعلق "سیر محمدی" کے مصنف کی دلیلوں کے علاوہ اور دلیلیں ہیں جو سن مذکور کی حمایت کرتی ہیں۔ چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

"سیر محمدی" میں لکھا ہے کہ حضرت مخدوم نے ۱۷ رجب سنہ ۷۳۶ھ میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی (المتوفی سنہ ۷۵۷ھ) سے بیعت کی ہے۔ اس وقت تذکرہ جیبی کی رو سے حضرت کی عمر پندرہ سال کی ہو چکی تھی۔ دونوں تحریریں درج ہیں۔

"در شانزدہم ماہ رجب المرجب روز افتتاح سنہ ست وثلثین سبعمایہ حضرت مخدوم و برادر بزرگ سید چندن بحضرت شیخ الاسلام شیخ نصیر الدین ارادت آوردند"

"ماہ رجب کی ۱۷ تاریخ بروز استفتاح ۷۳۶ھ حضرت مخدومؒ اور آپ کے بڑے بھائی سید چندن نے شیخ الاسلام شیخ نصیر الدینؒ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی"

"القصہ روز استفتاح کہ حضرت مخدوم پانزدہ سالہ و دوازدہ روز بودند بحضرت قطب عالم ملکوت خورشید سمار جبروت .... مرشد المشائخ شیخ نصیر الملت والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز پیوستند و بشرف خرقہ بیعت وجادہ طریقت مشرف شدند"

"مختصر یہ کہ بروز استفتاح کہ حضرت مخدومؒ پندرہ سال اور بارہ دن کے تھے حضرت قطب عالم ملکوت خورشید سمار وجبروت ... مرشد المشائخ شیخ نصیر الملت والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز سے منسلک ہوئے اور خرقہ بیعت اور طریقت کے راستہ سے مشرف ہوئے"

حسب تصریح "تاریخ حبیبی" حضرت کی عمر ۱۵ سال ۱۷ روز بیعت کے وقت تھی اور "سیر محمدی" کی رو سے بیعت ۱۲ رجب سنہ ۷۳۶ھ میں ہوئی۔ اگر عمر مذکورہ سنہ مذکور سے خارج کی جائے تو حضرت کی ولادت ۲ رجب سنہ ۷۲۱ھ نکل آئے گی۔

اس کے علاوہ حضرت مخدوم کے والد بزرگوار حضرت سید راجو قتال حسینی کا وصال ۵ شوال سنہ ۷۳۱ھ میں ہوا۔ اس وقت حضرت کی عمر ۱۰ سال ۳ ماہ ایک روز تھی۔ اس سے بھی حضرت کا سنہ ولادت سنہ ۷۲۱ھ نکلتا ہے۔

محمد علی سامانی سنہ ۸۰۱ھ میں حضرت مخدومؒ کی عمر بوقت ترک دہلی اسی سال بتاتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے۔

"چوں عمر ایشاں ہشتاد سال رسید در ہفتم ماہ ربیع الآخر سنہ احد و ثمانمایہ بسبب حادثہ مغول باخیلخانہ از دہلی از دروازہ بہیلسہ بیروں آمدند کاتب ایں سیر محمدی نیز برابر بود"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۸۰۱ھ میں بعمر ۸۰ سال حضرت نے دہلی کو ترک کیا (۸۰) سے تفریق کئے جائیں تو سنہ ولادت رہے گا اس لحاظ سے بھی سنہ ۷۲۱ھ میں سنہ ولادت طے پاتا ہے

ان قطعی بیانات کی روشنی میں یقینی طور پر یہ نتیجہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ حضرت کی ولادت سنہ ۷۲۱ھ میں ہوئی ہوگی۔ ممکن ہے لطائف اشرفی کے مصنف کو سن ولادت کے درج کرنے میں سہو ہو گیا ہو۔ سنین کا تفاوت اس قدر نہیں کہ جس سے زندگی کے واقعات اور تاریخی ماحول میں کوئی نمایاں فرق واقع ہو جائے چنانچہ صرف ایک سال کی زیادتی سے سن ولادت ۷۲۰ھ قرار پاتا ہے جو دلائل مصرحہ بالا کی رو سے صحیح نہیں ہو سکتا۔

نسب حضرت مخدوم کے نسب کے متعلق مختصراً "سیر محمدی" میں جو بیان کیا گیا ہے درج ذیل ہے "تاریخ حبیبی" اور "تبصرۃ الخوارقات"

کا بھی اسی پر اجماع ہے۔

" سید السادات منبع السعادات صدر الملت والدین الولی الاکبر الصادق ابو الفتح محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف بن حسن بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابو الحسن الجندی بن حسین بن ابی عبداللہ بن محمد بن عمر بن عمر یحییٰ بن حسین بن زید مظلوم بن علی اصغر زین العابدین بن الحسین السبط الشہیدین فاطمہ بنت محمد رسول اللہ و پدر امیر المومنین حسین ابو الحسن علی ابن طالب کرم اللہ وجہہ " (۱)

اس شجرہ نسب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم بائیسویں واسطہ سے آنحضرت کی آل اور حضرت علی کی اولاد سے ہیں۔

خاندانی حالات

آپ کے خاندانی حالات کے متعلق تمام تذکرہ نویس و تاریخ نگار خاموش ہیں۔ عموماً یہ حضرات حضرت مخدومؒ کے حالات اور کشف و کرامات پر اکتفا کرتے ہیں۔ البتہ حضرت کے والد ماجد کی زندگی کے حالات جستہ جستہ معلوم ہوتے ہیں "تاریخ حبیبی" میں ایک جگہ درج ہے کہ

" می فرمودند (حضرت مخدومؒ) دہلی فتح کردہ ترکان دست و پیش ازاں سید ابو الحسن جندی کہ دواز دہم کرسی فرجہ من باشد چند کرت از خراسان برائے فتح دیار دہلی آمد... ایشان نتوانست فتح کردن۔ چوں در آخری کرت کہ آمد شہادت یافت مدفن متبرکہ اش در صحن مسجد ایاز است

" فرمایا (حضرت مخدومؒ) نے دہلی فتح کرکے ..... اور اس سے قبل سید ابو الحسن جندی کہ جو میری بارہویں پشت میں ہیں چند مرتبہ خراسان سے دہلی فتح کرنے کی غرض سے آئے .... لیکن فتح نصیب نہیں ہوئی۔ جب آخری مرتبہ تشریف لائے شہید ہوئے۔ ان کا مدفن متبرک مسجد اباز کے صحن میں ہے کہ اس

---

(۱) سیر محمدی صفحہ

کہ در پیرامون آن مسجد ساکن بودند"   کے گرد و نواح میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

سید ابو الحسن جندی نے جن کا ذکر شجرہ نسب میں بارہویں درجہ پر ہے حملہ کے دوران میں دہلی میں شہادت پائی۔ ان کے بعد ان کی اولاد اور متعلقین دہلی ہی میں بس گئے۔ ان ہی میں سے ایک سید یوسف حسینی حضرت راجہ قتال بن سید راجا بن سید علی قدس سرہٗ ہیں جو پایہ کے بزرگ تھے۔ سنہ ۷۲۸ھ میں محمد تغلق کے حکم سے دہلی ترک کر کے دولت آباد تشریف لائے اور یہیں سنہ ۷۳۱ھ میں اس جہان فانی سے کوچ کیا۔ حضرت راجو قتال حسینی کے دو لڑکے تھے۔ جن میں پہلا اور بڑا لڑکا سید حسین عرف سید چندا تھا اور دوسرے حضرت مخدوم تھے حضرت مخدوم کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی رانی تھا جو بتصریح "سیر محمدی" خاندان سادات سے تعلق رکھتی تھیں۔

ترک دہلی

جب حضرت مخدوم نے چوتھی رجب سنہ ۷۲۱ھ کو اس دار المحن میں آنکھ کھولی اس وقت سلطان غیاث الدین تغلق تخت دہلی پر متمکن تھا۔ اس کے انتقال کے بعد سنہ ۷۲۵ھ میں اس کا بھتیجا سلطان محمد تغلق تخت نشین ہوا۔ دو تین سال حکومت کرنے کے بعد بادشاہ کو خیال ہوا کہ اس کی سلطنت بہت وسیع ہے۔ اور اس کے لئے کوئی ایسا مرکزی دار السلطنت ہو جہاں سے بیٹھ کر آسانی سے تمام ہندوستان پر حکمرانی کی جا سکے۔ امراء دولت و اعیان حکومت نے اجین کو پسند کیا کیونکہ وہ پہلے بھی دار السلطنت رہ چکا تھا۔ لیکن بادشاہ دولت آباد کی آب و ہوا اور قدرتی مناظر پر دل و جان سے فریفتہ تھا۔ اس لئے دولت آباد ہی کو پسند کیا[۱] چنانچہ سنہ ۷۲۸ھ میں حکم دیا کہ تمام دہلی کی رعایا برایا دولت آباد کوچ کرے[۲] لوگوں کے آرام کی خاطر راستہ میں سرائیں کوئیں اور درختوں کا انتظام کیا گیا تاکہ راستہ میں تکلیف نہ ہو۔

---

[۱] تاریخ فرشتہ۔ [۲] مقالہ "محمد شاہ بن تغلق" مصنفہ پروفیسر آغا مہدی حسین آگرہ کالج

حضرت مخدوم کے والد حضرت سید یوسف حسینی بھی اپنے تمام خاندان کے ساتھ ۱۷ محرم الحرام سنہ ۷۲۹ھ کو دولت آباد پہنچے۔

صاحب "سیر محمدی" اور "تبصرۃ الخوارقات" نے حضرت کی عمر دہلی سے روانگی کے وقت چار سالہ بتائی ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ محمد تغلق نے دہلی ترک کرنے کا حکم سنہ ۷۲۸ھ میں دیا اور حضرت کی پیدائش سنہ ۷۲۱ھ میں ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ کم از کم ۷ برس کے ہوں گے۔ "سیر محمدی" و "تبصرۃ الخوارقات" کے بیانات سے دھوکا کھا کر شاید "ارمغان سلطانی" کے مصنف محمد سلطان صاحب نے دولت آباد آنے کا سنہ ۷۲۵ھ بتایا ہے جو صریح تاریخی غلطی ہے۔ "تبصرۃ الخوارقات" میں تو حضرت کی عمر بوقت روانگی دو سال بتائی گئی ہے۔ اگر کتاب مذکور کے مطابق حضرت کی پیدائش سنہ ۷۲۳ھ میں فرض بھی کر لیں تو کوچ کے وقت حضرت کی عمر چار سالہ نہیں ہو سکتی کیونکہ دہلی ترک کرنے کی تاریخ اور دولت آباد پہنچنے کا سن "تاریخ حبیبی" اور "تبصرۃ الخوارقات" میں سنہ ۷۲۸ھ و ۷۲۹ھ درج ہے۔ البتہ "سیر محمدی" میں کوئی تاریخ درج نہیں۔ مصنف "تاریخ حبیبی" لکھتا ہے۔

"حضرت قطبی (حضرت مخدوم) میفرمودند دراں ایام کہ پدر من خلیفۃ اللہ را از دہلی در دولت آباد آورد مرا علم بود۔ بستم رمضان سنہ ثمان و عشرین وسبعمایہ بود کہ ما از شہر دہلی سوی دولت آباد رواں شدیم۔ در اثنائے راہ بدولت آباد ما را چہار ماہ برآید روز پنجشنبہ ہفدہم ماہ محرم سنہ تسع و عشرین وسبعمایہ در دولت آباد رسیدیم۔"[۱]

"حضرت قطبی (حضرت مخدوم) فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں میرے والد بزرگوار نے اپنا اسباب و متعلقین دہلی سے دولت آباد منتقل فرمایا مجھے یاد ہے ۲۰ رمضان ۷۲۸ھ تھا کہ ہم دہلی سے دولت آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ دولت آباد کے راستہ میں ہم کو چار ماہ لگے اور بروز پنجشنبہ ۱۷ المحرم ۷۲۹ھ دولت آباد پہنچے۔

۱۔ تاریخ حبیبی۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مخدوم ۲۰ رمضان سنہ ۷۲۸ھ کو کوچ کر کے ۱۷ محرم سنہ ۷۲۹ھ کو دولت آباد پہنچے۔ سن ولادت ۷۲۱ھ کے لحاظ سے آپ کی عمر بوقت ترک دہلی کم از کم سات برس ہوگی۔ ایسی صورت میں "سیر محمدی" کی رو سے حضرت کی عمر چار سالہ اور "تبصرۃ الخوارقات" کی رو سے دو سالہ کسی طرح ممکن نہیں اور نہ ہی "ارمغاں سلطانی" کا سنہ ۷۲۵ھ میں دولت آباد پہونچنے کا دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے۔

ولایت کی پیشین گوئی

جس وقت یہ چھوٹا سا قافلہ سنہ ۷۲۹ھ میں دولت آباد پہنچا وہاں ایک مشہور بزرگ شیخ بابو متمکن تھے۔ شیخ مذکور ایک بڑے بزرگ اور صاحب کشف تھے۔ "سیر محمدی" میں لکھا ہے کہ ان کا گھر ایک سنار کے دروازہ کے پاس تھا جب آپ سماع کی مجلس میں بیٹھتے تو بالکل مدہوش ہو جاتے اور منہ سے کف نکلنا شروع ہوتا جو کچھ زبان مبارک سے فرماتے ویسے ہی ظاہر ہوتا۔ سید یوسف حسینی ان سے ملنے کے لئے گئے ساتھ دونوں فرزندوں کو رکھ لیا۔ شیخ بابو نے اپنی کشف کی بنا پر فرمایا کہ آپ کا بڑا لڑکا تو خیر سوداگر ہوگا لیکن چھوٹا لڑکا بہت بڑا عارف اور ولی ہوگا۔

چنانچہ "می فرمودند (حضرت مخدوم) در ایام صغر من خدمت والد مرا و برادر بزرگ مرا بر شیخ الاسلام شیخ بابو بردند ...... فی الجملہ ہمیں کہ نظر شیخ بر ما ہر دو برادران افتاد شیخ گفت بیائید بنشینید۔ شیخ قوت کشوفاتی کہ داشت تقدیر ازلی را کشف کرد و پدر مارا گفت۔ خوند سبحہ

"فرمایا (حضرت مخدوم) نے کہ ایام طفلی میں والد صاحب نے مجھے اور میرے بڑے بھائی کو شیخ الاسلام شیخ بابوؒ کی خدمت میں حاضر کیا .... مختصر یہ کہ جوں ہی شیخ کی نظر ہم دونوں بھائیوں پر پڑی فرمایا کہ تشریف لایئے بیٹھئے۔ شیخ نے اپنی کشفی قوت سے تقدیر ازلی کو کھولا اور ہمارے والد

پسر بزرگ شما مردی سوداگری است البتہ صلحی وصلاحی در زد اما پسر خورد را می بینم کہ دانشمند ایں است عارف ایں است محب ایں است ولی ایں است مرشد ایں است وچند اوصاف دیگر نیز کہ بافضائل اولیار نسبت دارد - آخر الکلام کشف باطن شیخ برایں اختتام یافت کہ ای خوند سید بر آنچہ نظر من افتاد و معلوم کردم گفتم ورای ایں نیز مقاماتی دارد نظر من تا آنجائے تاحق سبحانہ تعالیٰ ایں بسر خورد شمارا برائے کدام احوال ومقامات داشتہ است [1]

سے فرمایا - خوند سید - آپ بڑا لڑکا سوداگر ہوگا - البتہ صلح وصفائی برتیگا لیکن آپ کا چھوٹا لڑکا دیکھتا ہوں کہ عقلمند یہ ہے - عارف یہ ہے - محب یہ ہے - ولی یہ ہے - مرشد یہ ہے اور چند دیگر اوصاف اس میں ہیں کہ فضائل اولیار سے متعلق ہیں - آخرکار شیخ کا کشف باطن اس پر اختتام پذیر ہوا کہ اے خوند سید کہ جو کچھ میں دیکھ سکا اور معلوم کرسکا میں نے بیان کردیا لیکن اس سے بھی پرے مقامات کا حامل ہے اس سے پرے کے حالات تک میری نظر نہیں پہنچتی کہ خدائے بزرگ نے آپ کے لڑکے کو جن احوال ومقامات کے لئے پیدا کیا ہے معلوم کرسکوں "

چنانچہ شیخ بابو کی یہ پیشن گوئی پوری ہوئی اور آپ اپنے معرفت اور مرتبہ کی وجہ سے صدر دیں ولی الاکبر الصادق اور بندہ نواز کہلائے اور آج بھی آپ کی درگاہ مرجع خلائق بنی ہوئی ہے خصوصاً دکن کے تو وہ سلطان ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صائب نے یہ شعر حضرت ہی کی شان میں کہا ہے۔

کردن از بندگی عشق مکش چوں یوسف ۔۔۔ کہ عجب سلسلہ بندہ نوازی دارد [2]

---

[1] تاریخ حبیبی [2] روضۃ الاولیار مصنفہ غلام علی آزاد بلگرامی

ابتدائی تعلیم اور بچپن کے حالات

ابتدائی تعلیم کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ بچپن میں اپنے والد ماجد اور نانا کے زیر تربیت رہے ان دونوں بزرگوں کو حضرتِ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء بدایونی (المتوفی ۱۷ ربیع الثانی ۷۲۵ھ) سے ارادت تھی۔ حضرت مخدوم اپنے والد اور نانا سے سلطان المشائخ کے حالات بڑے غور سے سماعت فرماتے تھے اور دل ہی دل میں سوچتے کہ کیا اچھا ہوتا جو میں ان کے آستانہ قدسی صفات پر حاضر ہو سکتا۔ جس زمانے میں آپ اپنے استاد (نام نامعلوم) سے مصباح اور قدوری[1] پڑھتے تھے۔ ایک شخص نے آپ سے دریافت فرمایا کہ نماز میں سجدہ کرتے وقت پہلے ہاتھ زمین پر رکھتے ہیں یا زانو۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ چیز اب تک قدوری میں نہیں پڑھی۔ اگر تھوڑی دیر بعد آؤ تو جواب دوں گا۔ وہ شخص چلا گیا آپ اس فکر میں مسجد کے گوشہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص پورے قد کا گندم گوں آنکھیں سرخ بڑی سی پگڑ باندھے اور چوڑی آستین کا کرتہ پہنے مسجد میں آیا اور نماز پڑھنی شروع کی۔ حضرت مخدوم نے سلطان المشائخ کا حلیہ اپنے نانا سے سنا ہی تھا آپ کو دفعتاً خیال ہوا کہ کہیں یہ آنے والا شخص وہی بزرگ نہ ہوں۔ آپ نے دل میں سوچ لیا کہ یہ شخص جس طرح نماز پڑھے گا وہی جواب میں سائل کو دے دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع پذیر ہوا کہ وہ بزرگ نماز پڑھکر غائب ہو گئے۔ آپ نے سائل کا جواب دیکر گھر کا رخ کیا۔ نانا سے ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ کے پیر کو دیکھا ثبوت میں حلیہ و ساری کیفیت بیان فرمائی۔ آپ کے نانا نے تصدیق کی۔ یہ واقعہ سلطان المشائخ کے انتقال کے بعد کا ہے[2]

---

[1] نحو اور فقہ کی کتابیں۔ [2] سیر محمدی

حضرت مخدوم میں بچپن ہی سے زہد و تقویٰ تھا چنانچہ آپ چھ سالہ عمر ہی سے رمضان کے روزے رکھتے سات برس کی عمر میں قرآن حفظ کر چکے تھے۔ آٹھ سالہ عمر سے تا دم واپسیں کبھی نماز قضا نہ فرمائی[1]۔ اسی عمر سے تمام دینی کاموں میں اہتمام فرماتے۔ چھوٹے بچے کثیر تعداد میں آپ کے ساتھ رہتے اور ہر چیز میں وہی ادب و لحاظ ملحوظ رکھتے جیسے مرید اپنے پیر کا کرتے ہیں۔ بچے آپ کے وضو کے لئے گھڑا بھر کر پانی لاتے اور آپ مشائخین کی طرح سب کو تبرک عنائت فرماتے[2]۔ کیوں نہ ہو مثل مشہور ہے "پوت کے پاؤں پالنے میں"۔

ایک مرتبہ سات آٹھ سالہ عمر میں دوستوں کی مجلس میں تشریف لے گئے۔ خوش مذاقی کی محفل آراستہ تھی اور شراب کے پیالے اڑ رہے تھے۔ آپ نے بھی ایک پیالہ پیا۔ چونکہ مجلس کافی مسخرہ پن کا اکھاڑا بن چکی تھی اس لئے آپ اپنی خالہ کے گھر واپس گئے خالہ نے انہیں زبردستی شراب کا پیالہ پلایا جس کی وجہ سے آپ تمام رات مدہوش رہے۔ صبح نماز کے لئے اٹھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ تمام کپڑے اور بال قے سے لت پت ہیں اس سے بڑی عبرت ہوئی اور آپ نے سوچا کہ یہ بیغیروں کی نشانی ہے۔ آپ بہت شرمندہ ہوئے۔ اس کے بعد سے کبھی برے وقت کا شکار نہ ہوئے[3]۔

واپسی بہ دہلی ابھی حضرت مخدوم کی عمر گیارہ سالہ بھی نہ ہونے پائی تھی کہ سنہ ۷۳۱ھ میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ جب سے آپ نے سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کو مسجد میں دیکھا تھا آتش شوق اور بھڑک اٹھی تھی۔ ہمیشہ اسی فکر میں رہتے کہ کس طرح آستانہ قدسی صفات پر پہنچ کر زیارت سے مشرف ہوں لیکن حضرت دولت آباد میں تشریف فرما تھے اور آستانہ سلطان المشائخ دہلی

---

[1] تاریخ حبیبی۔ [2] سیر محمدی۔ [3] جوامع الکلم ص۶۹

ہیں۔ دونوں مقامات میں تقریباً سات سو کوس کا بعد تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ارادہ میں تقویت ہو تو سب کام بن جاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ خدا پر بھروسہ کیا جائے۔ وہی مسبب الاسباب ہے کچھ نہ کچھ سبب پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت کا مصمم ارادہ تھا صرف سبب کے منتظر تھے۔ اسی زمانہ میں

"اما ہمہ ریں اندیشہ بودند کہ بر ایشاں چوں تواند رسید۔ ایشان (حضرت نظام الدین اولیار) در دہلی و ما در دولت آباد دو ہفصد کردہ زمین درمیان۔ چوں پانزدہ سالہ شدند ناگاہ والدہ حضرت مخدوم را با برادر خود ملک الامرار سید ابراہیم مستوفی بسببی مقداری کہ کدورت شد۔ از آنجا غصہ کردہ جانب دہلی رواں شدند[1]"

"لیکن اسی خیال میں تھے کہ ان تک کیسے پہنچ سکیں گے۔ وہ (حضرت نظام الدین اولیاؒ) دہلی میں ہیں اور ہم دولت آباد میں اور سات سو کردہ زمین درمیان میں ہے۔ جب پندرہ سال کی عمر کو پہنچے اتفاقاً حضرت مخدومؒ کی والدہ کی اپنے بھائی ملک الامراد سید ابراہیم سے کسی بنا پر کدورت ہوگئی اور وہاں سے غصہ میں دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔"

چنانچہ یہ قافلہ ۱۷ رجب سنہ ۷۳۶ھ کو دہلی پہنچ گیا۔

بیعت

یہ وہ زمانہ ہے جب کہ نظام الدین اولیاءؒ کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی جگہ شیخ الاسلام شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ سجادۂ ارشاد و طریقت پر متمکن تھے۔ حضرت مخدومؒ نے شیخ الاسلام کا شہرہ دولت آباد ہی میں سنا تھا اور طے کر لیا تھا کہ سلطان المشائخ سے بیعت ممکن نہیں ہے تو کم از کم ان کے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ اس وقت حضرت کی عمر پورے پندرہ سال کی ہو چکی تھی حضرت مخدومؒ دہلی پہنچتے ہی حضرت چراغ دہلیؒ سے

---

[1] سیر محمدی صفحہ ۱

ملاقات کے لئے بے چین تھے ۔ خدا خدا کرکے جمعہ کا دن آیا ۔ آپ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنے سلطان قطب الدین کی جامعہ مسجد میں پہنچے۔ اتفاق سے حضرت چراغ دہلی بھی وہیں تشریف لائے ۔ پہلی ہی نظر میں حضرت مخدوم ان کی وجاہت اور معرفت پر دل وجان سے فریفتہ ہو گئے دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ کیا اچھا ہو جو یہی شخص شیخ الاسلام ہو ۔۔۔ لوگوں سے دریافت فرمایا اور "جوینده یابنده" کے مصداق مدعائے دلی پایا ۔ برادر بزرگ سے آپ نے اصرار کیا کہ وہ دونوں حضرت شیخ الاسلام کے مرید ہو جائیں ۔ بھائی نے بات مان لی اور دونوں " شانز دہم ماہ رجب المرجب روز استفتاح سنہ ستہ وثلثین وسبعمایہ (سنہ ۷۳۶ھ) بحضرت شیخ الاسلام شیخ نصیرالدین چراغ دہلی ارادت آوردند"

دلّی کا ماحول

دہلی ہمیشہ اپنے جغرافی اعتبار اور تاریخی لحاظ سے ہندوستان کا مرکز اور ساتھ ہی ترقی و تمدن کے انسانیت سوز حرکات کا آماجگاہ بنا رہا ۔ جہاں اس نے سلاطین مغلیہ کی جبروت وسطوت دیکھی وہاں اسے تیموری یلغاروں اور نادر شاہی حملوں کا شکار بھی بننا پڑا ۔ کبھی یہ امن وسکون کا گہوارہ رہا اور کبھی اس کے گلی کوچوں سے خون کے دریا بہہ نکلے ۔ ہزاروں نے اس کی گود میں اپنی مراد پائی اور لاکھوں بے گور و کفن دنیا سے کوچ کر گئے ۔

جس وقت حضرت مخدوم دوبارہ دہلی پہنچے تو یہ دارالسلطنت اہل علم وفضل کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا ۔ سلطان محمد تغلق (المتوفی سنہ ۷۵۲ھ) تخت دہلی پر جلوہ افروز تھا ۔ علم منطق فلسفہ اور دیگر علوم کا ماہر تھا اور علماء معقولین کی خوب قدر کرتا تھا ۔ بقول ضیاء الدین برنی علماء متصوف کا سخت دشمن تھا لیکن خود شریعت اور نماز روزہ کا پابند تھا اگر کبھی دربار کے دوران میں اذان کی آواز سن لیتا تو احتراماً اٹھ کھڑا ہوتا خلیفہ

ؔ سیر محمدی صلا

اسلام کا دلدادہ تھا۔[1]

حضرت امیر خسروؒ (المتوفی سنہ ۷۲۵ھ) کی صدائے طوطی نوازا بھی تک دہلی کے در و دیوار سے آرہی تھی۔ ادھر حضرت حسن سنجری (المتوفی سنہ ۷۳۶ھ) دولت آباد میں اپنی آخری سانسیں لے رہے تھے۔ دونوں شاعر اپنے عہد کے گل و بلبل تھے۔ مولانا شرف الدین کتیلی مولانا تاج الدین بہادر اور قاضی عبد المقتدر بن قاضی رکن الدین التشریحی الکندی جیسی شخصیتیں تخت علم و فضل پر متمکن تھیں۔ ضیاء الدین برنیؒ[2] اپنی تاریخ نویسی اور ابن بطوطہ اپنی قابلیت کی وجہ سے دربار میں رسوخ پا چکے تھے۔ ابن بطوطہ جو بڑا قابل اور سیاح تھا سنہ ۷۳۴ھ میں تغلق کے دربار میں پہونچا اور قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور ہوا۔ ابن بطوطہ کا "سفرنامہ" اور ضیاء الدین برنی کی تاریخ "فیروز شاہی" اپنی ہمہ جہتی کی وجہ سے آج تک

---

[1] مقالہ احمد شاہ بن تغلق" مصنفہ پروفیسر آغا مہدی حسن۔ [2] ضیاء الدین برنی کے متعلق صاحب "اخبار الاخیار" صفحہ ۹۶ پر بیان فرماتے ہیں "خواجہ ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی مرید شیخ نظام الدین اولیاءؒ است و بعنایت و قرب او مخصوص بود۔ مجموعہ لطائف و ظرائف بود و از ہر گوں کلمات و حکایات یاد داشت در صحبت علماء و مشائخ و شعراء حظے تمام داشت و با امیر خسروؒ و میر حسن مودت و افر داز صحبت آن دو عزیز۔ مستفاد و مستفید بود ..... بواسطہ لطافت طبع و فن ندیمی کہ داشت بخدمت سلطان محمد تغلق متمکن و مستقل گشت و بعد از او در زمان دولت فیروز شاہ بہا یحتاج کفایت کردہ گوشہ گرفت و در وقت رحلت از دنیا مجرد و منزہ رفت۔

مشہور ہے۔ ہم عصر شعراء میں ایک ایرانی شاعر بدرالدین نامی کا ذکر ملتا ہے جو تاشقند کا رہنے والا تھا اور دربار تغلق میں اپنے قصیدوں اور تاریخی اشعار کی بدولت قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

اس زمانے کے بزرگان دین میں خود حضرت شیخ الاسلام نصیرالدین چراغ دہلی (المتوفی) سنہ ۷۵۷ھ کی شخصیت تھی جو حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید اور سجادہ نشین تھے دوسرے اور بزرگان دین جن کا ذکر ابن بطوطہ کے سفر نامہ میں ملتا ہے۔ یہاں پر ان کا حال مختصراً درج کیا جاتا ہے[۱]

سفر نامہ میں لکھا ہے کہ زندہ علماء میں سے ایک شیخ محمود تھے۔۔۔ یہ بڑے بزرگ تھے کہا جاتا ہے کہ انہیں دست غیب حاصل تھا کیونکہ وہ بہت خرچ کرتے مسافروں کو کھانا کھلاتے اور محتاجوں کو روپیہ پیسہ دیتے تھے۔ بایں ہمہ ان کی کوئی ظاہری وجہ معاش نہ تھی۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ خود میں نے ان کی زیارت کی بڑے صاحب کشف و کرامات تھے۔

ایک اور بزرگ شیخ علاؤ الدین نیلی تھے جو شیخ نظام الدین اولیاء کے جانشین تھے۔ ان کے بہت سے مرید تھے۔ آپ ہر جمعہ وعظ فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ وعظ فرما رہے تھے۔ آپ نے فارسی سے ایک قرآنی آیتہ پڑھوائی جس کا ترجمہ ہے۔" اے لوگوں۔ خدا سے ڈرو قیامت کا واقعہ بڑا سخت ہوگا۔ جان کاہ ہوگا۔

لہ۔ صاحب اخبار الاخیار ص۸۴ پر حضرت چراغ دہلی کے متعلق فرماتے ہیں "شیخ نصیرالدین محمود اشہر و اعظم خلفای شیخ نظام الدین اولیاء است و صاحب سر و وارث احوال او۔ ولایت دہلی بعد از شیخ نظام الدین بوی انتقال یافت و بغایت اتباع شیخ داشت و طریقہ او فقر و صبر و رضا و تسلیم بود ..... وفات او ہژدہم ماہ رمضان سنہ سبع و خمس و سبعمایہ"

[۱] یہاں سے علماء و مشائخین کا حال "محمد شاہ بن تغلق" مصنفہ آغا مہدی حسن سے ماخوذ ہے۔

اس دن ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلائے بچوں کو بھول جائیگی ہر حاملہ کا حمل وضع ہو جائے گا اور آدمیوں کے ہوش و حواس گم ہو جائیں گے ایسا معلوم ہوگا کہ گویا نشہ میں ہیں مگر وہ نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ ان کی یہ حالت خدا کے عذاب کے خوف سے ہوگی۔ شیخ علاؤالدین نیلی نے اس آیت کو دوبارہ پڑھوایا جس پر ایک فقیر نے جو کونے میں بیٹھا تھا ایک چیخ ماری۔ شیخ نے اس آیت کو دوبارہ دھرایا۔ فقیر نے اور چیخ ماری اور مر گیا۔ ابن بطوطہ کہتا ہے کہ وہ خود اس واقعہ کے وقت موجود تھا اور خود اس نے اس فقیر کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

ایک اور عالم تھے جن کا نام شیخ صدرالدین تھا جو دن میں ہمیشہ روزہ رکھتے اور رات کو نمازیں پڑھتے تھے۔ دنیا کو انہوں نے بالکل ترک کر دیا تھا۔ ان کا لباس فقط ایک کمبل تھا۔ اکثر امیر بلکہ خود سلطان وقت ان سے ملنے آتا مگر شیخ مذکور ہمیشہ ان لوگوں سے گریز کرتے۔ سلطان محمد تغلق نے ان سے کچھ گاؤں قبول کرنے کی درخواست کی لیکن انہوں نے بالکل نامنظور کیا۔ ایک وقت سلطان ان سے ملنے آیا اور دس ہزار دینار بطور نذر پیش کئے لیکن انہوں نے لینے سے قطعی انکار کر دیا۔ آپ تین دن کا روزہ رکھتے اور کبھی افطار نہ فرماتے کسی نے وجہ دریافت کی تو ارشاد فرمایا۔ "جب تک میں بے تاب نہیں ہو جاتا اس وقت تک روزہ نہیں کھولتا۔ ایسی حالت میں مردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔"

شیخ کمال الدین عبداللہ غاری ایک اور بزرگ تھے جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ کے پاس ایک غار میں رہتے تھے ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اس نے تین بار ان کی زیارت کی ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اس کا غلام بھاگ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے غلام کو ایک ترک کے پاس پایا اور اسے واپس لے جانا چاہا لیکن شیخ مذکور نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ اب تمہارے قابل نہیں ہے۔ ابن بطوطہ نے حسب الارشاد سو دینار لے کر غلام کو ترک کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ غلام نے اپنے نئے آقا کو جان سے ختم

کر دیا ہے یہ کرامت دیکھ کر وہ شیخ مذکور کا قائل ہو گیا ۔

جس زمانے میں حضرت مخدوم دہلی پہنچے یہ ماحول تھا ۔ اس بات کا کہیں پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے ان حضرات میں سے کسی سے استفادہ کیا ہے یا نہیں ۔ البتہ اتنا تحقیق سے معلوم ہے کہ آپ نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اور سید شرف الدین کیتلی و بہاء الدین ہمام سے علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی ۔

تکمیل علوم ظاہری

بیعت کے بعد حضرت مخدوم کے بڑے بھائی سید حسین دنیوی امور میں مشغول ہو گئے لیکن حضرت کا رجحان علوم باطنی کی طرف بڑھ گیا ۔ آپ نے ارادہ فرمایا تھا کہ تمام وقت کسب باطنی میں صرف کریں گے لیکن ان کے پیر و مرشد نے اس بات کی اجازت مرحمت نہ کی اور حکم دیا کہ تم ابھی علوم ظاہری کی تکمیل کرو ۔ ایک دو وقت جذبہ حال سے متاثر و مجبور ہو کر حضرت نے کسب باطنی کی اجازت چاہی لیکن پیر و مرشد نے انکار کر دیا اور فرمایا ۔

"می فرمودند خیر ہدایہ و بزودی در رسالہ شمسیہ و کشاف و مفتاح و صحائف ایں ہمہ را مرتب کن ما را با تو کاری است[1]"

"فرمایا خیر ہدایہ و بزودی در رسالہ شمسیہ و کشاف و مفتاح و صحائف ان تمام کو حاصل کرو ہم کو تجھ سے خاص کام ہے ۔"

چنانچہ حضرت مخدوم نے پیر و مرشد کی ہدایت کے موافق ۲۰ سالہ عمر میں "کافیہ" کا ایک جزو مولانا ملک ہمام تاج بہادر سے پڑھا ۔ جب ان سے تشفی نہ ہوئی تو قاضی عبد المقتدر سے "کافیہ" "شرح کافیہ" اور دوسری منقول و معقول کتابیں پڑھیں ۔ ان کے علاوہ سید شرف الدین کیتلی سے بھی چند کتابیں پڑھیں ۔ ساتھ ساتھ اذکار باطن کا ورد جاری تھا اور روزانہ حضرت

---

[1] سیر محمدی ص۱۱

چراغ دہلی کے آستانہ پر حاضر ہوتے تھے جب آپ کو گھر میں تکلیف ہونے لگی تو آپ نے خلیرہ شیر خاں میں ایک حجرہ بسا لیا۔ جہاں حسب الحکم پیر و مرشد مولانا علاؤالدین الندی کو بھی کسب باطن کی تعلیم دیتے رہے۔ پیر و مرشد کے حکم پر "خیر ہدایہ" "بزدوی" "رسالہ شمسیہ" "کشاف" اور "مفتاح" وغیرہ پڑھیں اور کسب باطن کی اجازت چاہی۔ حضرت شیخ الاسلام بہت خوش ہوئے اور آپ کو کسب باطن کی اجازت عطا فرمادی۔

دورِ دوم سنہ ۷۴۱ تا سنہ ۷۵۶ھ

تکمیل باطنی

حضرت مخدوم نے علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی کو حاصل کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ ابتدائی مدارج اور شیخ الاسلام[1] کی رہنمائی و شفقت کے متعلق خود حضرت نے اپنے ملفوظات میں اس طرح فرمایا:

"اول حال میخواستم کہ زود زود بملاقات میرفتم اما روش نداشتم بی روش (نذر) پیش پیر نروند از پدر خویش شنیدہ بودم۔ پدر من از یاراں شیخ نظام الدین بود۔ یاراں خدمت شیخ نظام الدین بر پدر می آمدند از ایشاں دیدہ و شنیدہ ام۔ وہم برادر بزرگ متعلق بکار خویش بود و در امر احم میشوم برای

"شروع شروع چاہتا تھا کہ جلد جلد ملاقات کے لئے جایا کروں لیکن نذرانہ پیش کرنے کے لئے نہیں ہوتا تھا۔ اپنے والد سے سن رکھا تھا کہ بلا نذرانہ پیر کے سامنے نہیں جانا چاہیئے۔ میرے والد شیخ نظام الدین کے احباب میں سے تھے۔ حضرت نظام الدین کے احباب والد صاحب کے پاس آتے تھے۔ ان سے دیکھا اور

---

[1] مقالہ میں "شیخ الاسلام" سے ہر جگہ حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی مراد ہے۔

ملاقات می بردم و او بیگاه کردی
یکبار فرمود (چراغ دہلی) شما ہر
بارے بیگاه می آیند و من در آن
وقت ملول می باشم والبتہ می خواہم
حکایتی با شما بگویم۔ و من در آن
ایام آخر پانزدہ اول شانزدہ سالہ
ام۔ من متحیر ماندم۔ گفتم با خود
سبحان اللہ خواجہ مطلوب دارد
کہ با حکایتی کند زہی دولت۔ یکبار
بعد اشراق رفتم۔ فرمودند وسوی
کہ برای بامدادی کنی تا برآمدن
آفتاب باقی می باشد گفتم آری صدقہ
خواجہ می باشد گفت نیکو باشد اگر
ہمبدان وضو یک دوگانہ اشراق
بگذاری ایستادم گفتم صدقہ خواجہ
بگذارم و متصل و دوگانہ شکرالنہار
و استعادہ و استخارہ ہم بگذار چند
گاہی برآں ملازمت کردم۔ یکروزی
فرمود دو گانہائے اشراق می گذاری
گفتم می گزارم بی ناغہ گفت اگر چہار
رکعت چاشت ہم برآں ختم کنی نمی
گویم وقتی دیگر ہمیں ساعت چہار
رکعت از چاشت ہم بگذار دو چاشت

سنا ہوں۔ ونیز بڑے بھائی اپنے
کام میں لگے ہوئے تھے ان کو بھی ملاقات
کے لئے لیجاتا تھا لیکن وہ دیر کر دیتے
تھے۔ ایک بار فرمایا (چراغ دہلی
نے) تم ہمیشہ دیر سے آتے ہو مجھے اس
وقت رنج پہنچتا تھا۔ میں چاہتا ہوں
کہ آپ لوگوں سے کچھ بیان کروں یہ
وہ زمانہ ہے کہ میں آخر پندرہ برس
یا ابتدائی سولہویں برس میں تھا میں
بہت متحیر ہوا اور میں نے آپ سے کہا
سبحان اللہ خواجہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے
ہیں۔ کیا ہی مبارک موقع ہے۔ ایک
بار اشراق کے بعد میں گیا فرمایا کہ جو
وضو تم صبح کرتے ہو وہ سورج نکلنے
تک باقی رہتا ہے۔ میں نے کہا کہ خواجہ
کے صدقہ میں باقی رہتا ہے۔ فرمایا
کیا ہی اچھا ہو کہ اسی پر ایک اشراق
کا دوگانہ بھی پڑھ لیا کرو۔ میں اٹھ
کھڑا ہوا اور کہا صدقہ خواجہ ضرور ایسا
ہی ہوگا۔ اور اسی سے ملا کر دوگانہ شکر
النہار واستعادہ و استخارہ بھی پڑھ
لیا کرو۔ کچھ عرصہ تک اس پر عمل کرتا
رہا ایک روز فرمایا کہ دوگانہ اشراق

ہم ترا شود - وہمیشہ رجب صائم می بودم - پرسید در رجب صائم می باش عرضہ داشتم آری - شعبان ہم گفتم نہ روزہ گفت بست و یکروزہ دیگر بداری آخر تراسہ ماہہ مرتب شود - گفتم صدقہ خواجہ بدارم - پیش والدہ گفتم دراں ایام پیوند شیخ نداشت تفت شد - مرا چیزی گفت - گفتم ہر چہ خوش آید بگو - فرمود شیخ است من ازاں گشتنی تمام بعد رمضان ستہ عید میداشتم ہم دراں ایام بہ پایوس رفتم فرمودند خواجگان ما روزہ داؤدی نداشتہ اند صوم دوام داشتہ اند بعد ازایں تو صوم دوام بدار[1]

پڑھتے ہو - میں نے جواب دیا کہ ہاں بلاناغہ - فرمایا کہ اگر اس پر چار رکعت چاشت بھی پڑھ لی جائے تاکہ چاشت ہوجائے اور میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھتا تھا - دریافت فرمایا کہ کیا رجب میں روزے رکھتے ہو میں نے جواب دیا کہ ہاں - فرمایا شعبان میں بھی روزہ رکھتے ہو میں نے جواب دیا کہ نو روزے رکھتا ہوں - فرمایا باقی اکیس روزے بھی رکھ لیا کرو تاکہ سہ ماہی روزے پورے ہوجائیں - میں نے کہا صدقہ خواجہ روزہ رکھوں گا میں نے والدہ سے اس کا ذکر کیا اس زمانہ میں شیخ کی مرید نہ تھیں - برہم ہوئیں اور مجھ سے کچھ کہا میں نے جواب دیا جو چاہے فرمایئے لیکن میں شیخ کا کہا نہیں ٹال سکتا - رمضان کے بعد ستہ شوال کے روزے بھی رکھتا تھا - اسی زمانہ میں حضرت کی پابوسی کے لئے گیا - شیخ نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان نے داؤدی روزے نہیں رکھے بلکہ ہمیشہ

۱؎ جوامع الکلیم ص۳۵ تحت ملفوظات روز شنبہ ۳۰ رجب

کے روزے رکھے ہیں اس لئے اب سے
تم بھی ہمیشہ روزے رکھا کرو۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح حضرت مخدوم کسب باطنی فرماتے رہے پیر و مرشد کی شفقت ملاحظہ ہو کہ کس طرح انہوں نے پانچ وقت کی نماز کے علاوہ چاشت اور اشراق کی تلقین فرمائی بعد ازاں شکر النہار استعاذ و استخارہ کا حکم دیا اور آہستہ آہستہ صوم دوام کا عادی بنا دیا۔

حضرت مخدوم پیر کے کسی حکم سے گریز نہ کرتے اسی وجہ سے بہت جلد ترقی کے مدارج پر پہنچ گئے۔ ابتدا ء حال ہی سے وہ شوق و شوریدگی تھی کہ خود شیخ الاسلام قائل ہو گئے اکثر فرماتے۔

"شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یعنی شیخ الاسلام) می فرمودند کہ بعد ہفتاد سال کودکی مرا از سر شور آئندہ است و واقعات سابق مرا یاد دہانیدہ "[1]

"شیخ (یعنی شیخ الاسلام) فرماتے تھے کہ ۷۰ سال کے بعد ایک لڑکے نے مجھے اکسا دیا ہے اور مجھے اپنے سابقہ واقعات یاد دلایا ہے۔"

یعنی حضرت مخدوم کو ابتدأ حال ہی سے سیر و سلوک کے وہ علامات نظر آتے جنہیں دیکھ کر شیخ الاسلام کو اپنے پچھلے حالات اور کشف یاد آجاتا اور ان کے دل میں جوش پیدا ہوتا۔ شیخ الاسلام نے حضرت کا جب یہ حال دیکھا تو ان پر بہت مہربان ہو گئے یہاں تک کہ ایک مرتبہ ان کے کسی بزرگ معتقد کا وصال ہو گیا۔ شیخ الاسلام سیوم کی زیارت میں شریک رہے۔ زیارت سے فراغت پانیکے بعد ارشاد فرمایا کہ میں سید محمد (حضرت مخدوم) کے مقام شغل و ذکر کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ حظیرہ شیر خاں میں تشریف لیگئے

---

[1] سیر محمدی ص۱۴۔

اور چند تانبے چاندی کے سکے جو اپنے ساتھ لائے تھے حضرت مخدوم کو بطور نذر پیش کئے اور فرمایا "این روش ما است برائے سید محمد" شیخ الاسلام کے اس مشفقانہ سلوک سے حضرت مخدوم کا درجہ بہت اعلیٰ وارفع ہوگیا۔ یہاں تک کہ آپ ۲۴ سالہ عمر میں ولی الاکبر اور عارف کامل بن گئے۔

"فی الجملہ در ایام بست وچہار سالگی صوفیان اہل ہدی ومشغولان اصحاب کشوفات . . . . حضرت مخدوم را می دیدند وعکس پرتو ربوبیت را در جمالیت مبارک حضرت قطبی ہم چو بدر در شب چہاردہم بروی فلک معائنہ می کردندی ۔ و بود ظاہر وکمال ریاضت حضرت احساس مینمودی و بہ عین الیقین وحق الیقین یافتندی . . . . اولیاء آں وقت و شیوخ آں ایام وصوفیاں متجلی آں عہد بیک اتفاق و بیک زباں می فرمودندی کہ خوندمیر در اشغال ایام این بست وچہار سالگی خود در مقام حضرت سرور مشائخ شیخ فرید الدین نور اللہ مرقدہ رسیدہ اند"[1][2]

"مختصر یہ کہ ۲۴ سال کی عمر میں صوفیان اہل ہدی اور اصحاب کشف . . . . حضرت مخدومؒ کو دیکھتے تھے اور آپ کے جمال میں پرتو ربوبیت مثل چودھویں کی رات کے چاند کے مانند ملاحظہ کرتے تھے ۔ اور حضرت کے بود وظاہر وکمال ریاضت سے متاثر ہوکر حق اور یقین پاتے تھے . . . . اس زمانہ کے اولیاء اور شیوخ وصوفیا ایک زبان ہوکر کہتے تھے کہ حضرت اس ۲۴ سالہ عمر میں حضرت فرید الدین کے درجہ پر پہنچ گئے ہیں۔

---

[1] سیر محمدی ص۱۳ [2] تاریخ حبیبی

* ابتداء ریاضت و منازل سیر و سلوک میں حضرت کو چند مشقتیں برداشت کرنی پڑیں چنانچہ ایک مرتبہ پیر و مرشد نے طے (یعنی مسلسل) روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ آپ نے اس دن افطار نہ فرمایا۔ رات میں بہت بے چینی رہی چاہتے تھے کہ کچھ کھالیں پھر سوچا کہ جس شخص نے حکم دیا ہے وہی صبر بھی عطا کر دیگا۔ اسی دوران میں آپ کو قے معلوم ہوئی اور ایک سبز رنگ کی گولی آپ کے حلق مبارک سے نکلی جو بہت سخت تھی۔ اس کے بعد حضرت کو چین اور اطمینان حاصل ہو گیا[1]

جب حضرت تیس[۳۰] سال کی عمر کو پہنچے تو آپ بالکل تن تنہا جنگلوں میں پھرنے لگے۔ آپ کسی سے نظر نہ ملاتے تھے اکثر لوگ انہیں سید دیوانہ کہکر پکارتے۔ یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ آپ اس عمر میں تقوے اور تزکیہ نفس کے تمام شرائط کو پورا کر چکے تھے جس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

"تزکیہ نفس باتفاق عبارت از چہار قاف است۔ قلت الطعام و قلت المنام و قلت الکلام و قلت الصحبتہ مع الانام۔ چوں بر ایں چہار قاف وقوف شود ارجو کہ تزکیہ نفس دست دہد"[2]

"تزکیہ نفس چار قاف پر مشتمل ہے۔ قلت طعام (کم کھانا)، کم سونا کم گفتگو کرنا اور لوگوں سے کم میل ملاپ رکھنا۔ جب ان چار قاف پر کاربند ہو جائیں تو جان لیں کہ تزکیہ نفس حاصل ہو گیا۔"

ان شرائط کے حضرت عمر بھر پابند رہے۔ ہمیشہ روزہ رہتے۔ کم سوتے وقت ضرورت لوگوں سے باتیں کرتے اور ملتے تھے۔ تیس سال کی عمر تک آپ تمام خواہشات نفسانی سے دور رہے اور تمام تر توجہ ‎ ‎سب باطن

---

[1] جوامع الکلم تحت ملفوظات سہ سنہ ۲۴ ر رمضان سنہ ۸۰۲ھ

[2] مکتوبات صـ۴۷

میں صرف کی۔ چنانچہ لکھا ہے۔

"۔۔۔اندر سی سالگی نمی دانستم کہ صحبت زنان چگونہ است و رغبت خاطر شہوت چہ بیاں است"[1]

"تیس سال کی عمر تک میں نہیں جانتا تھا کہ عورتوں سے مباشرت کیسے ہوتی ہے اور شہوت کی رغبت کیا چیز ہوتی ہے"

جب آپ کا سن شریف ۷۰ سال کا ہوا تو اس زمانے میں دہلی میں ایک وبا پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت مخدوم بھی اس کے شکار ہو گئے اور آپ کو خلہ کی بیماری ہو گئی۔ منہ سے خون جاری ہونے لگا۔ لوگوں نے جب یہ حالت دیکھی تو گھبرا گئے۔ شیخ الاسلام نے مولانا صدر الدین طبیب اور مولانا علاؤ الدین کو بھیجا نیز مالش کے لئے روغن خشت روانہ کیا جس کی کشید بادشاہان وقت کرتے تھے۔ روغن خشت سے آرام ہوا اور آپ چند دنوں میں اچھے ہو گئے۔ قدمبوسی کے لئے آستانہ پیر و مرشد پر حاضر ہوئے چہار شنبہ کا دن تھا شیخ الاسلام کو جب اطلاع ہوئی تو اندر طلب فرمایا مرض کے متعلق استفسار کیا اور فرمایا کہ مرض بہت مہلک تھا خدا کا شکر ہے کہ تم اچھے ہو گئے۔ حضرت مخدوم نے بعد ازاں اپنے بیماری کے زمانے کا واقعہ فرمایا کہ میں نے عالم واقعہ میں دیکھا۔

"جامعہ در تن پوشانیدند و گفتند بپوش کہ ایں جامعہ ولایت است۔ پس گفتند بکش۔ کشیدم جامعہ دیگر آوردند و گفتند بپوش کہ جامعہ نبوت است باز گفتند بکش

"مجھے ایک جامعہ پہنایا گیا اور کہا گیا کہ اسے پہنو کہ جامہ ولایت ہے۔ پھر کہا کہ اتار دو۔ میں نے اتار دیا۔ دوسرا جامہ لایا گیا اور کہا گیا کہ پہنو کہ جامہ نبوت ہے

---

[1] تاریخ حبیبی

کشیدم ۔ جامہ دیگر آوردند وگفتند
بپوش کہ جامہ رسالت است
باز گفتند بکش ۔ کشیدم ۔ پس جامہ
دیگر آوردند وگفتند بپوش کہ ایں
جامہ اتحاد است ۔ باز گفتند بکش
کشیدم ۔ پس جامہ دیگر آوردند
گفتند بپوش کہ ایں جامہ ہائے ربوبیت
والوہیت وہویت است ۔ ہر یکے
راپوشیدم ۔ حضرت مخدوم فرمودند
درایں میاں میدیدم کہ روی مبارک
بندگی شیخ (شیخ الاسلام) ازشادی
می درخشید وہر بار می گفتند کہ ہاں
دیگر ہاں دیگر ۔ پس عرضہ داشتم کہ
ہمہ اشیاء مختلف را باصور متفاوت
بیک حقیقت باز گشتہ دیدم ۔ بندگی
شیخ بغایت خوش شدند ودست
مبارک بر روی خود فرود آوردند
وگفتند الحمدللہ رب العلمین وچند
لفظ بریں نمط فرمودند کہ بندگی شیخ
راعمر آخر شدہ می نماید ۔ سپس آں
گلیمی از پیش خود ستدند وبر ہر دو
دست حضرت مخدوم دادند ودست
حضرت مخدوم را محکم گرفتند و

پھر کہا کہ اتار دو ۔ میں نے اتار دیا پھر
دوسرا جامہ لائے اور کہا کہ پہنو کہ یہ
جامہ رسالت ہے ۔ پھر کہا گیا کہ اتار دو
میں نے اتار دیا پھر ایک دوسرا جامہ
لایا گیا اور کہا گیا کہ پہنو کہ جامہ اتحاد
ہے ۔ پھر کہا گیا کہ اتار دو ۔ پھر دوسرا
جامہ لائے اور کہا کہ پہنو ۔ یہ جامہ
ربوبیت ۔ الوہیت وہویت ہے ۔ میں
نے ہر ایک کو پہنا ۔ حضرت مخدومؒ فرماتے
ہیں کہ اس اثنا میں دیکھ رہا تھا کہ حضرت
بندگی شیخ کا روئے مبارک خوشی سے
دمک رہا تھا اور ہر بار فرماتے جاتے
تھے کہ ہاں اور کیا اور کیا ۔ پس میں
نے جواب دیا کہ تمام اشیاء مختلف کو
مختلف صورتوں میں ایک حقیقت بازنہ
کی طرح دیکھا ۔ حضرت بندگی شیخ بہت
محظوظ ہوئے اور اپنا دست مبارک
اپنے چہرے پر لائے اور فرمایا کہ خدا
کا شکر ہے ۔ اور چند لفظ اسی طرح
کے فرمائے کہ بندگی شیخ کا آخری
زمانہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ آگیا ہے
بعد ازاں کمبل نکالکر حضرت مخدوم
کے دونوں ہاتھوں پر رکھ دیا اور

فرمودند کسی کہ دنبال کسی مشقت می بیند
برای چیزی می بیند۔ بعدہٗ فرمودند
سید محمد ایں کار از من قبول کن
یعنی دست بہ بیعت بدہ۔ حضرت
مخدوم سر فرود نمودہ ساکت شدند
باز فرمودند قبول کردی۔ حضرت
مخدوم گفتند قبول کردم۔ باز فرمودند
قبول کردی۔ حضرت مخدوم عرضہ
داشتند قبول کردم۔ بعدہٗ دو وصیت
کردند یکی آنکہ اوراد ظاہر خود را ترک
نہ کنی و دوم آنکہ متعلقان ما را رعایت
کنی۔ سپس آں مولانا زین الدین
آمدند بندگی شیخ فرمودند زین الدین
برو فرمائش حلوا برائے کندوری تبت
بکن۔ چوں مولانا زین الدین رفتند
نہالچہ بجانب حضرت سید مخدوم پرتاب
کردند و فرمودند سید غلاف ایں نہالچہ
بکش و بستان و در آستین بکن و
بازگشت"[1]

حضرت مخدوم کا ہاتھ مضبوط پکڑ کر
فرمانے لگے کہ کوئی شخص کسی کے پیچھے
مشقت کرتا ہے تو کسی نہ کسی سبب سے
کرتا ہے۔ بعد میں فرمایا کہ سید محمد اس
کام کو میری طرف سے قبول کرو یعنی
اب اپنے ہاتھ پر بیعت لیا کرو۔ حضرت
مخدوم سر نیچے جھکا کر خاموش ہو گئے۔
پھر فرمایا کہ تم نے قبول کیا۔ حضرت
مخدوم نے فرمایا کہ قبول کیا۔ پھر فرمایا
قبول کیا۔ حضرت مخدوم نے جواب دیا
کہ قبول کیا۔ اس کے بعد دو وصیتیں کیں
پہلی یہ کہ اپنے اوراد ظاہر کو ترک نہ
کیا جائے اور دیگر یہ کہ میرے متعلقین
سے رعایت برتی جائے۔ اس کے بعد
مولانا زین الدین تشریف لائے۔
حضرت شیخ نے فرمایا جاؤ اور کندوری
کے لئے حلوہ کا حکم دیا۔ جب مولانا زین الدین
چلے گئے تو نہالچہ حضرت سید مخدوم
کی طرف لوٹا اور فرمایا کہ اے سید
اس نہالچہ کا غلاف اتار لو اور لیجاؤ اور
آستین میں رکھ لو اور لوٹ جاؤ"

---

[1] سیر محمدی ص۱۸ و ۱۹

یہ واقعہ تھوڑے فرق سے (الف) سیر محمدی (ب) تاریخ حبیبی (ج) جوامع الکلم۔ تینوں میں درج ہے۔ جوامع الکلم میں لوگوں کے آنے اور حضرت کو مختلف جامے پہنانے کا ذکر نہیں البتہ صاحب "سیر محمدی" و "تاریخ حبیبی" اس کا ذکر کرتے ہیں۔ نیز نہالچہ کا عطا کرنا بھی جوامع الکلم کی عبارت سے خارج ہے البتہ حضرت کے ملفوظات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعات ضرور پیش آئے ہونگے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"من بالا رفتم چند چیزی عرضہ داشتم نیک خوش شدند..... فرمودند (بشیخ الاسلام) کسی کے دنبال کسی مشقتی بیند برای چیزی می بیند چند سخنے اینجا فرمودند مرا بزبان خود گفتن شرم می آید"[1]

"میں اوپر گیا اور چند چیزیں بیان کیں بہت خوش ہوئے ...... فرمایا (شیخ الاسلام) کہ کوئی شخص کسی کے پیچھے مشقت اٹھاتا ہے تو کسی خاص مقصد سے ہی اٹھاتا ہے۔ چند چیزیں اس وقت فرمائیں کہ جس کے اظہار سے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے"

"چند چیزی عرضہ داشتم" اور "بزبان خود گفتن شرم می آید" کی عبارت واقعات مذکورہ بالا کی طرف غمازی کر رہی ہے۔ ممکن ہے حضرت نے شرم و حجاب کی وجہ سے نہ فرمایا ہو لیکن مریدوں نے اسے من وعن بیان کر دیا۔

دور سوم سنہ ۷۵۷ تا سنہ ۸۰۱ ھ

وصال چراغ دہلیؒ وخلافت بندہ نواز

سہ شنبہ ہندرہویا شب رمضان

حضرت چراغ دہلوی بیمار ہوئے۔ حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی یہاں تک کہ

---

[1] جوامع الکلم ص۳۰۷

تمام مریدوں اور احباب کو آپ کے چل بسنے کا یقین ہوگیا۔ اسی حالت میں بعض یاروں نے آپ سے عرض کیا کہ اگر حضرت اپنے مریدوں میں سے کسی کو سجادۂ مشیخت کے لئے مقرر فرمادیں تو یہ بات طریقہ خواجگان سے بعید نہ ہوگی۔ شیخ الاسلام نے ارشاد فرمایا۔

"شیخ فرمودند آسامی ایشان بنویسید و بیارید۔ تذکرہؔ کردند۔ مولانا زین الدین آں تذکرہ را پیش بردند و در آں تذکرہ نام حضرت مخدوم رضی اللہ نبود چوں بندگی شیخ آنرا اہتمام بدیدند فرمودند کہ چہ سنگی و کلوخی بستہ آوردید ایشان را بگوید غم ایمان خود بخورید و آں تذکرہ را بہ تاب کردند باز مولانا زین الدین مختصر کردہ آورد نام چندیں دور کرد بر بندگی شیخ برد فرمودند۔ بخوانید بخواندند۔ بندگی شیخ رضی اللہ عنہ فرمودند نام سید محمد نہ نوشتید، ایشان ترسان و لرزاں گشتند فی الحال نام حضرت مخدوم رضی اللہ عنہ نبشتند و بخواندند بندگی شیخ باستماع نام حضرت مخدوم تذکرہ ستدند و قلم مبارک خود

"شیخ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے نام لکھ کر لاؤ۔ فہرست بنائی گئی اور مولانا زین الدین نے یہ فہرست پیش کی جس میں حضرت مخدوم کا نام لکھا ہوا نہیں تھا۔ جب بندگی شیخ نے پوری فہرست ملاحظہ فرمائی تو کہا کہ کیا اینٹ پتھر اٹھا کر لائے ہو۔ ان لوگوں سے کہو کہ اپنے ایمان کا غم کھائیں اور اس فہرست کو لوٹا دیا مولانا زین الدین نے دوبارہ فہرست میں کانٹ چھانٹ کرکے دوبارہ فہرست پیش کی۔ حضرت نے فرمایا پڑھو۔ فہرست پڑھی گئی۔ بندگی شیخ نے فرمایا کہ سید محمد کا نام نہیں لکھا ہے۔ وہ ڈرتے اور لرزتے ہوئے واپس لوٹے اور اسی وقت حضرت مخدوم کا نام لکھ کر پڑھا گیا۔ بندگی شیخ نے حضرت مخدوم

لہ تذکرہ بمعنی فہرست استعمال ہوا ہے

صاد کردند[1]"

کا نام سن کر فہرست اپنے ہاتھ میں لی اور اپنے قلم مبارک سے اس پر صاد کر دیا۔

بعد ازاں حضرت شیخ الاسلام کا وصال ۱۸ رمضان سنہ ۷۵۰ھ[2] شب جمعہ کو ہوا۔ اور بعض روایتوں کے بموجب آپ نے ۱۷ رمضان سنہ ۷۵۰ھ[3] کو اس جہان فانی سے کوچ کیا حضرت مخدوم نے اپنے ہاتھ سے غسل دیا۔

پیر و مرشد کے انتقال کے بعد حضرت مخدوم تیسرے روز سیوم کی فاتحہ پڑھکر سجادہ ارشاد و ہدایت پر جلوہ افروز ہوئے اور بیعت اور تلقین کا کام شروع کیا تمام تذکرہ نویس اس بات پر مجتمع ہیں کہ شیخ الاسلام کے انتقال کے بعد ان کی باطنی نعمت چار لوگوں میں تقسیم ہوئی ان میں ایک حضرت مخدوم بھی تھے۔ باقی تینوں نعمتیں ان حضرات کے انتقال کے بعد حضرت مخدوم ہی کے حصہ میں آئیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے۔

"وبعد شیخ آں ولایت بچہار کس قسمت شد۔ یکی صوفی (حضرت مخدوم) بود ہم از مریدان شیخ۔ دوم صندوق تراش بود۔ سوم کلال بود۔ چہارم عورتی بود ہر کہ میان ایشاں مرد ہمیداں صوفی مزید شیخ بار آمد۔ امروز سالہا است کہ ہم بر او مسلم و مفوض است تا بعد از وی کہ رسد واللہ اعلم"[6]

"اور شیخ کے بعد وہ ولایت چار لوگوں پر منقسم ہوئی۔ ایک صوفی (حضرت مخدوم) تھے جو شیخ کے مریدوں میں تھے دوسرے ایک صندوق تراش تھے۔ تیسرے ایک کلال تھے۔ چوتھے ایک عورت تھی۔ ان میں سے جو بھی مرا تو جان لے کہ وہ صوفی ہی کو ملی اور آج عرصہ ہوا کہ اس پر مسلم ہے اور

---

[1] سیر محمدی ص۲۰ [2] سیر محمدی ص۲۰ [3] اخبار الاخیار، مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی
[4] تاریخ حبیبی [5] جوامع الکلم ص۱۲۳ [6] زبدہ ملفوظات ہشتم ذی قعدہ ۸۰۲ھ

اس کے تفویض ہے۔ اس کے بعد کس
کو پہنچیگی اس کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

شجرہ خلافت

جب کہ حضرت مخدوم سجادہ ارشاد و ہدایت پر سنہ ۷۵۷ھ میں جلوہ افروز ہو چکے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شجرہ خلافت پیش کیا جائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ حضرت کا شجرۂ خلافت بھی شجرہ نسب کی طرح بائیسویں واسطہ ہی سے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے شجرہ خلافت درج ذیل ہے۔ ہر نام کے محاذی اعراس کی تاریخ دی جاتی ہے۔ نیز سنہ وفات جو معلوم ہو سکے بیان کیے جاتے ہیں شجرہ "تبصرۃ الخوارقات" سے تیار کیا گیا ہے اور تمام سیر نویسوں کا اس پر اجماع ہے۔

سلسلہ	اسماء	تاریخ عرس تاریخ وفات
۱۔	حضرت سید محمد حسینی بندہ نوازؒ	۱۶ ذی قعدہ سنہ ۸۲۵ھ
۲۔	شیخ الاسلام حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ	۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ
۳۔	سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ	۱۷ ربیع الثانی ۷۲۵ھ
۴۔	حضرت خواجہ فرید الدین مسعود اجودھنی	۵ محرم الحرام ۶۶۴ھ
۵۔	شیخ الاسلام حضرت قطب الدین بختیار اوشیؒ	۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ
۶۔	حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیریؒ	۶ رجب المرجب ۶۵۵ھ
۷۔	حضرت شیخ الاسلام شیخ عثمان ہارونیؒ	۱۵ یا ۱۶ شوال المکرم
۸۔	〃 〃 شیخ حاجی شریف زندنیؒ	۱۳ یا ۲۰ یا ۱۲ رجب المرجب
۹۔	〃 〃 شیخ قطب الدین مودود چشتیؒ	غرہ ما رجب المرجب
۱۰۔	〃 〃 خواجہ ناصح الدین محمد چشتیؒ	۱۰ رجب المرجب
۱۱۔	〃 〃 خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتیؒ	۳ رجب المرجب
۱۲۔	〃 〃 خواجہ قدوۃ الدین ابو محمد چشتیؒ	غرہ یا ۹ جمادی الآخر
۱۳۔	〃 〃 خواجہ ابو ابراہیم اسحٰق چشتیؒ	۴ یا ۱۴ ربیع الاول

سلسلہ	اسماء	تاریخ عرس
۱۴۔	شیخ الاسلام خواجہ ابو ابراہیم اسحٰق علو دنیوریؒ	۱۴ر محرم الحرام
۱۵۔	، ، خواجہ امین الدین ابو ہیرۃ البصریؒ	۸ر شوال المکرم
۱۶۔	، ، خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ	۱۴ر شوال المکرم
۱۷۔	، ، خواجہ سلطان ابراہیم ادہم البلخیؒ	۲۶ر جمادی الاول
۱۸۔	، ، خواجہ ابو الفیض فضیل ابن عیاضؒ	۳ر ربیع الاول یا ۲۷ر محرم الحرام
۱۹۔	، ، خواجہ ابو الفضل عبد الواحد بن زیدؒ	۲۷ر صفر المظفر
۲۰۔	، ، خواجہ ابو النصر الحسن بصریؒ	۱۴ر محرم الحرام
۲۱۔	، ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۱۸ر رمضان المبارک ۴۰ھ
۲۲۔	سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ

شادی

جب حضرت مخدوم کا سن شریف چالیس سے متجاوز ہوا تو آپ نے والدہ ماجدہ کے اصرار پر سید احمد بن جمال الدین مغربی کی صاحبزادی رضا خاتون سے نکاح کر لیا۔ سید جمال الدین مغربی ایک اعلیٰ خاندان کے فرد تھے۔ انہوں نے ہندوستان آکر بقول صاحب تاریخ جیلی

"منتخب مولانا جمال الدین	"منتخب مولانا جمال الدین فرماتے
میفرمودند ما سادات حسینیانیم	تھے کہ ہم حسینی سید ہیں جب ہندوستان
چونکہ در ہند آمدیم وعزت سادات	آئے اور سادات کی عزت نہ دیکھی
معاینہ نہ کردیم شجرہ نسب خود بوسیدیم	اپنے شجرہ نسب کو پھاڑ دیا اور خود
وخود را ملا نامیدیم"	کو ملا کہنے لگے"

حاصل کلام حضرت کو رضا خاتون کے بطن سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں تولد ہوئیں۔ بڑے فرزند کا نام سید محمد اکبر حسینی اور چھوٹے صاحبزادے کا نام سید محمد اصغر حسینی تھا۔

شادی کے بعد سنہ ۸۰۱ھ تک تمام حالات تاریکی میں ہیں۔ کسی نے

بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ حضرت مخدوم کو دہلی میں سجادہ ارشاد و تلقین پر متمکن رہنے کے زمانے میں کیا واقعات پیش آئے۔ صرف اتنا تحقیق سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ تمام تر زمانہ ارشاد و ہدایت میں گزرا۔

طریقہ بیعت

اس طویل زمانے میں حضرت لوگوں کو تلقین کرتے رہے اور دست بیعت دیتے رہے۔ یہاں پر بیعت کا کچھ حال بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت کس طرح اپنے مریدین کو بیعت سے مشرف فرماتے تھے۔ اس کے متعلق "سیر محمدی" "تاریخ حبیبی" کے علاوہ خود حضرت کے ملفوظات مسمیٰ "جوامع الکلم" اور "مکتوبات بندہ نواز" میں بھی چیدہ چیدہ مواد دستیاب ہوتا ہے۔ انہیں کتابوں کے استفادہ سے یہاں طریقہ بیعت درج کیا جاتا ہے۔

صورت بیعت یہ تھی کہ آپ اپنا دست مبارک مرید ہونے والے کے ہاتھ پر رکھ دیتے اور فرماتے کہ تم نے اس کمزور ضعیف سے اور اس کمزور ضعیف کے خواجہ سے اور تمام مشائخ رحمۃ اللہ علیہما سے عہد کیا کہ نگاہ کی حفاظت کروگے۔ زبان کی حفاظت کروگے اور جادہ شریعت پر قائم رہوگے پھر آپ فرماتے کہ تم نے یہ سب قبول کیا۔ تو مرید عرض کرتا کہ جی ہاں میں نے قبول کیا اس کے بعد ارشاد فرماتے "الحمد اللہ" قینچی دست مبارک میں لیتے اور تکبیر فرماتے ہوئے داہنی اور بائیں طرف کے کان کے پاس کے تھوڑے تھوڑے بال اتار لیتے اور سر پر چو گوشہ ٹوپی (طاقیہ) رکھ دیتے۔ اس کے بعد وہ شخص جاتا اور نماز پڑھ کر دستار یا عمامہ باندھے واپس آتا اور پائے مبارک پر گرتا نیز نذر پیش کرتا۔ بعد ازیں مرید کو فرماتے کہ کسی وقت کی نماز قضا نہ کرنا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بعد نماز مغرب چھ رکعتیں آوابین کی تین سلام کے ساتھ ادا کرنا جس میں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ

لے وہ نماز جو توبہ قبول ہونے کی خاطر پڑھی جائے۔

کے بعد سورہ اخلاص سات مرتبہ اور معوذتین[1] ایک مرتبہ پڑھنا۔ بعد سلام سرکو سجدہ میں رکھ کر تین مرتبہ "یا حیّ یا قیوم، ثبتنی علی الایمان" کہنا اور عشاء کے بعد وتر کے دو رکعتیں پڑھنا جن میں سورہ فاتحہ کے ساتھ دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنا۔ بعد سلام ستر مرتبہ "یا وہاب یا وہاب" کہنا اور ہو سکے تو ہر مہینے ایام بیض[2] کے روزہ رکھنا۔

اگر کسی عورت کو مرید فرماتے تو ایک بڑے پیالے میں پانی لایا جاتا۔ آپ شہادت کی انگلی کا تھوڑا حصہ پانی میں ڈبوتے نیز انگلی پر کپڑا باندھ لیتے تھے۔ دوسری طرف عورت بھی اپنی شہادت کی انگلی ڈبوتی اس کے بعد مذکورہ بالا طریقہ پر بیعت فرماتے اور وہ پانی عورت کو پلا دیتے۔ بعد ازیں رومال دونی عورت کے سر پر رکھ دیتے اگر عورت پردہ والی ہوتی تو اس کے اور اپنے درمیان چادر سے پردہ کرواتے اور پانی کا پیالہ اسی طرح رکھواتے یا اس کے کسی محرم کو اس کا وکیل مقرر کر کے بیعت لیتے۔

استفتاح اور عرفہ کے روز تمام مرید حاضر خدمت ہوتے اور تجدید بیعت کرتے۔ آپ سب سے پرسش فرماتے کہ وہ بتائے ہوئے طریق پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں۔ اور اس میں انہیں کچھ فائدہ نظر آتا ہے یا نہیں اس کے بعد مزید چیزوں کا اضافہ فرماتے[3]۔

اگر کسی طالب اور مرید کو شوقین اور تیز گام پاتے اور اس میں تصوف کا رجحان ملاحظہ فرماتے تو اسے مندرجہ بالا چیزوں کے علاوہ مزید ورد کرواتے

---

[1] معوذتین سے مراد "قل اعوذ برب الناس" اور "قل اعوذ برب الفلق" کی سورتیں مراد ہیں۔

[2] ایام بیض سے ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ مراد ہے۔

[3] بیعت کے حوالے کے لئے دیکھ سیر محمدی ص۴۲، جوامع الکلم ص۱۹۱، ۱۸۳، ۱۷۶۔ مکتوبات بندہ نواز ص۲۹۱، ۹۷ وغیرہ

اور تلقین فرماتے ۔ حضرت نے طلب حق کی چند شرطیں مقرر کرلیں تھیں جو ابدال کی بتائی ہوئی تھیں ۔ سیر محمدی میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا حسام الدین نامی ایک بوڑھے آدمی نے آپ سے تلقین کی خواہش ظاہر کی آپ نے فرمایا کہ تم بوڑھے ہو چکے ہو اور تمہارا مجاہدہ اور ریاضت کا زمانہ گذر چکا ہے ۔ مولانا مذکور مایوس لوٹ گئے ۔ اسی اثنا میں ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے اس طالب کو کیا جواب دیا ۔ حضرت نے تمام کیفیت سنا دی ۔ اس شخص نے کہا کہ میں ایک ابدال ہوں اور آپ کو ایک چیز بتاتا ہوں اگر آپ اپنے مریدوں میں اس کا رواج دیدیں اور اس کے بعد مقصود حاصل نہ ہو تو کل قیامت میں ان کا ہاتھ ہوگا اور میرا دامن ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس میں جوان ہونے کی قید نہیں ہے ۔ طلب حق کی اس ابدال نے جو شرطیں بتائیں وہ درج ذیل ہیں جنہیں حضرت نے رواج دیکر خدا کے لطف کو عام کر دیا ۔

"وشرائط ایں است روز چہار شنبہ لپشتوارہ ہیزم برگرفتہ از خانہ خویش یا از بازار در خانقاہ بیارد آں قدر کہ تواند ۔ ہرچند کہ بسیار آرد نعمت بسیار یابد ۔ و می باید کہ ہیزم خشک آرد تا ذکر تلقین زود تر پیدا آید ۔ بعد آوردن ہیزم اوراد دعائے تلقین می کردند کہ در ابتدائی شروع در ذکر آنرا چند کرت بخواندی و بقدر دستگہ خود خرچی برائے کناروری بیارد ۔

" اور شرائط یہ ہیں کہ چہار شنبہ کے دن لکڑی کا گٹھا اٹھا کر جتنا کہ اٹھا سکتے ہو اپنے گھر سے یا بازار سے خانقاہ میں لائیں ۔ جتنا زیادہ لاؤ گے اتنی ہی زیادہ نعمت ملے گی ۔ اور چاہے کہ سوکھی لکڑیاں لائیں تاکہ ذکر و تلقین جلد حاصل ہو ۔ لکڑی کے لانے کے بعد اس کو ایک دعا سکھائی جاتی تھی کہ جس کو ابتدا میں چند مرتبہ پڑھ کر بتایا جاتا تھا اپنی استطاعت کے موافق کندوری

"بعد ازاں روز پنجشنبہ زیارت پنج پیر می فرمودند ۔ حضرت خدمت شیخ نصیر الدین محمود و خدمت شیخ نظام الدین بداونی و خدمت شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی و شیخ قطب الدین بختیار اوشی و خدمت شیخ معین الدین حسن سنجری رضی اللہ عنہما" [1]

کے لئے خرچ بھی لائے ۔ اس کے بعد پنجشنبہ کے دن پانچ پیروں کی زیارت کرتے تھے یعنی حضرت شیخ نصیر الدین محمود ۔ حضرت شیخ نظام الدین بداونی وحضرت شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی و شیخ قطب الدین بختیار اوشی وحضرت شیخ معین الدین حسن سنجری رضی اللہ عنہما"

زیارت کی شکل یہ تھی کہ جب کوئی زیارت کا ارادہ کرے تو تین یا سات مرتبہ کلمہ تمجید آخر تک پڑھے ۔ اس کے بعد سر سجدہ میں رکھ کر کچھ نذر قبر کے پائنتی رکھے بعد ازاں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ ایک مرتبہ آیۃ الکرسی تین مرتبہ الھٰکم التکاثر اور دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے اس کے بعد بیٹھ جائے ۔ اور جو قرآنی سورۃ پسند ہو پڑھے پھر اٹھ کر سات مرتبہ قبر کا طواف کرے ۔ زمین پر سر رکھے اور کہے کہ سید محمد حسینی جو آپ کی طرف ذکر و تلقین فرماتے ہیں مجھے تلقین کرنا چاہتے ہیں امید ہے کہ آپ سفارش فرمائیں گے تاکہ یہ ناچیز کامیاب ہو اس دوران میں غور سے دیکھتا رہے کہ کون روضہ میں آتا جاتا ہے اور کیا کرتا ہے ۔ زیارت سے فارغ ہونے کے بعد پیش کردہ نذر حضرت مخدوم کے پاس لائے اسی طرح پانچوں پیر کی زیارت کرے ۔ اگر کسی شہر میں قبر نہ ہو تو زمین پر پانچ خط کھینچے اور ان کو قبور تصور کر کے بتائے ہوئے طریق پر زیارت کرے اس کے ساتھ بی بی فاطمہ سام کی بھی زیارت کرے بعد ازاں جو کچھ پیش آئے تمام واقعات حضرت مخدوم کے روبرو پیش کرے ۔

---

[1] سیر محمدی ص۸۵

تلقین کی دوسری شرط یہ تھی کہ تلقین کے دن روزہ رکھے۔ اگر طے کا روزہ (مسلسل روزے) رکھے تو بہت بہتر ہے۔ تلقین کا دن پنجشنبہ کا ہوتا۔ ظہر کے وقت کھچڑی گھی دہی لکڑی گٹھا نمک علیحدہ سر پہ رکھ کر بی بی فاطمہ سام کی روح پر فتوح کے ایصال ثواب کے لئے لائے۔ اس کے بعد فاتحہ کے وقت غسل کرے کسی سے بات چیت نہ کرے۔ عصر کی نماز خانقاہ میں ادا کرے۔ ان شرائط کے بعد حضرت مخدوم طالب کو بلاتے اور جتنے ارباب تلقین ہوتے جمع ہوتے۔ حضرت مخدوم نہالچہ پر جلوہ افروز ہوتے اور تمام مریدین آپ کے دونوں جانب بیٹھتے جس کو تلقین کرنا مقصود ہوتا وہ آپ کے سامنے نزدیک ہی بیٹھتا۔ آپ خود پہلے ذکر فرماتے بعد میں تمام مریدین یکے بعد دیگرے اسے دھرتے آخر میں مسترشد دھراتا۔ پھر آپ اسے کچھ عنایت فرماتے (تاریخ جیبلی میں درج ہے کہ نعلین عطا کرتے) علاوہ ازیں بتدریج ذکر شیخ ذکر سہروردیان ذکر ہندی خاصہ حضرت فریدالدین ذکر ربوبیت الوہیت صمدیت وغیرہ۔ ساتھ ہی مراقبہ قرب معیت ہویت اور مراقبہ ذات وصفات وغیرہ تلقین فرماتے۔

آپ ہمیشہ تلقین فرماتے کہ طالب کو ذکر بہت کرنا چاہیئے تاکہ دل میں اتر جائے اور جب دل میں اتر جائے تو زبان بند کر لینا چاہیئے کیونکہ زبان سے ذکر کرنا لقلقہ ہے اور جب ذکر میں بھید کی بات پیدا ہو جائے تو دل کو بھی روک لینا چاہیئے اس لئے کہ قلب سے ذکر کرنا وسوسہ ہے ذکر باسر معائنہ ہوا کرتا ہے۔ سانس روک کر قلب پر زور سے ضرب لگانا چاہیئے تاکہ دل کی چربی پگھلنے لگے اور دل کا منہ کھل جائے اور جب یہ منہ کھل جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ مقصود حاصل ہو گیا۔

افسوس ہے کہ تمام اذکار و تلقین کا پتہ نہیں چلتا نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسترشد کو باقاعدہ کون کون سے ذکر ورد کروا تے تھے۔ البتہ "رسالہ مراقبہ" و "رسالہ اذکار چشتیہ" سے بعض اوراد و مراقبوں کا

طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ طالب کو باقاعدہ کس مراقبہ یا ذکر سے اپنی تعلیم شروع کرنی چاہیئے ان رسالوں میں بھی ایک یعنی "رسالہ مراقبہ" حضرت مخدوم کا لکھا ہوا ہے اور دوسرا "رسالہ اذکار چشتیہ" حضرت کے ایک مرید کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ یہاں پر چند مراقبوں و اذکار کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ حضرت کس طرح سے تلقین فرماتے تھے۔

"خود را دایم الحال حضور او داند و را عین حاضر داند بر حکم نص الم تعلم بان اللہ یعنی آنکس کہ گناہ می کند نمی داند بدرستی کہ خدائے می بیند بلکہ او تحقیق حاضر است می بیند ہر فعل کہ انسان می کند۔ و این مراقبہ آنست کہ جبریل حضرت رسالت پناہ را تعلیم کردہ بود۔ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ یعنی اینک عبادت بکن نوائے محمد خدای را چنانستی کہ می بینی تو او را لیس۔ اگرچہ تو او را نمی بینی او ترا می بیند و این مراقبہ حضوریت گویند"[1]

"و بعضی اذان اذکار ذکر

"خود کو ہمیشہ اور ہر حالت میں اُس کے پیش نظر جانے اور اُس کو (یعنی خداوند تعالیٰ کو) عین حاضر سمجھے ...... یعنی جو شخص گناہ کرتا ہے حقیقت میں یہ نہیں سمجھتا کہ خدا دیکھتا ہے حالانکہ وہ قطعی حاضر ہے اور دیکھتا ہے ہر اُس فعل کو کہ انسان کرتا ہے اور یہ وہ مراقبہ ہے کہ حضرت جبریلؑ نے حضرت رسالت پناہ کو سکھایا تھا ...... یعنی اے محمدؐ خدا کی عبادت اس طرح کیجئے کہ جیسے آپ اُسے دیکھ رہے ہیں۔ اگر آپ اس کو نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ آپ کو دیکھتا ہے اور یہ مراقبہ حضوریت ہے۔"

"اور ان اذکار میں سے بعض

---

[1] رسالہ مراقبہ ص۲۔ [2] رسالہ اذکار چشتیہ ص۱۳

یا احد یا صمد یا فرد یا وتر است
آستین پیراہن دست چپ بکشد
بر کتف انداز دو بنہد قدم راست
خود را شتاب شتاب بگوید یا احد
پس چپا بگوید یا صمد باز طرف
راست یا فرد ۔ باز طرف چپا یا وتر
بلند گوید و پائی راست چنانچہ
می کند نزدیک است پس رجوع
سوئی مکان ہم چنیں "[1]

ذکر یا احد ۔ یا صمد ۔ یا فرد ۔ یا
وتر ہے ۔ بائیں ہاتھ کی آستین کو
کھینچے اور شانہ پر ڈال لے اور اپنا
سیدھا قدم ڈالے ۔ جلدی جلدی
یا احد کہے پھر بائیں جانب کہے یا
صمد پھر سیدھے جانب یا فرد اور
بائیں جانب یا وتر زور سے کہے
اور سیدھے پیر کو ایسا کرے رجوع
کے نزدیک ہے ۔ مکان کی جانب
اسی طرح "

اسی طرح کے رسالہ مراقبہ میں (۳۶) مراقبہ ہیں اور رسالہ اذکار چشتیہ میں چند اذکار ہیں ذکر کیا گیا ہے یہی حضرت کے تعلیم و تلقین کا طریقہ تھا۔

دور چہارم سنہ ۸۰۱ تا ۸۲۵ ھ

اسباب ترک دہلی و آمد دولت آباد

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ سنہ ۸۰۰ھ تک حضرت مخدوم سجادہ ارشاد و ہدایت پر متمکن رہے اور لوگوں کو تلقین و ہدایت کرتے رہے ۔ اس سے زیادہ حالات کچھ معلوم نہو سکے بہرحال جب آپ کا سن شریف اسی سال کا ہوا تو آپ اپنے کشف کی بناء پر پیشین گوئی کی کہ دہلی پر عنقریب ایک بلا نازل ہونیوالی ہے تمام لوگوں کو چاہیئے کہ دہلی چھوڑ کر گرد و نواح میں چلے جائیں ۔ یہ پیشین گوئی سنہ ۸۰۱ھ

---

[1] رسالہ " اذکار چشتیہ " صـ۱۳

میں کی گئی تھی اور اسی سنہ میں امیر تیمور نے دہلی پر حملہ کیا اور قتل وخون کے دریا بہا دیئے۔ حضرت مخدومؒ ۷ ربیع الثانی سنہ ۸۰۱ھ کو دہلی سے اپنے خاندان اور چند مخصوص مریدوں کے ساتھ بہیلسہ کے دروازہ سے نکل پڑے۔ مریدوں میں محمد علی ساماتی کاتب رسالہ "سیر محمدی" بھی موجود تھا اس نے تفصیل کے ساتھ تمام سفر کے واقعات درج کیے ہیں جو اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔

حضرت دہلی سے تاریخ مذکور پر نکلکر سیدھے بہادرپور پہونچے جہاں محمد علی افغان اور بہاؤالدین نے آپ کا استقبال کیا حضرت نے بہاؤالدین کو اپنا وکیل بنایا تاکہ وہ بیعت لیں اور وہاں سے گوالیر کا قصد کیا۔ چنانچہ ایک مکتوب مولانا علاؤالدین گوالیری کے نام لکھا اور اپنے آنے کی اطلاع دی۔

"مولانا علاؤالدین نصیر دعا محمد حسینی مطالعہ کند اتفاق تقدیر چنیں افتاد کہ ما از شہر بحالتے بیروں شدیم کہ از تحریر و تقدیر متجاوز است بمشاہدہ تواں دانست مقصد ما طرف کالپی است راہا سخت بے طریق گفتند ہیچ سبیلے گزشتن میسر نیست .... باز باہتمام گفتہ می شود جای درنگی وتامل نیست وقت بر ما تنگ ست جای درنگ ومقام نیست لضرورت بہ سبب

"مولانا علاؤالدین نصیر محمد حسینی کی جانب سے دعا۔ تقدیر کا اتفاق ہے ہوا ہے کہ ہم شہر سے کچھ ایسی حالت میں نکل پڑے ہیں کہ جو لکھنے یا کہنے سے باہر ہے ہم کالپی کی جانب جا رہے ہیں۔ راستے سخت تکلیف دہ ہیں کہتے ہیں کہ طے کرنے کا کوئی سبب میسر نہیں ہے .... دوبارہ خاص طور پر کہا جاتا ہے کہ غور و فکر کا وقت نہیں ہے۔ ہمارے لئے وقت تنگ ہے اور ٹھہرنے اور سوچنے کا وقت

تعلق و مزاحمت ملک محمد علی یک
دو مقام شدہ آں مصلحت نیست
میباید طریق الانواع و قاصد ما را
در بہانہ با فرید خاں بیاید ملاقات
کند دریں باب تقصیر نکند فی الحال
در زماں دراں کار شود۔

بیت

دریاب اگر تو عاقلی بشتاب اگر صاحبدلی
باشد کہ نتواں یافتن دیگر چنیں ایام را[1]

نہیں ہے۔ ضرورتاً اور بہ سبب
تعلق و مہربانی ملک محمد کے پاس
ایک دو مقام ہو گئے یہ ہماری
مصلحت نہیں ہے۔ مختلف راستہ
اختیار کرنا چاہیئے اور ہمارا قاصد
بہانہ میں فرید خاں کے ساتھ آئے
اور ملاقات کرے۔ اس معاملہ میں
کوتاہی نہ کرے اسی وقت اس
معاملہ میں لگ جائے۔ اگر تو عاقل
ہے تو اس موقع کو پالے اور اس
میں جلدی کرے کہیں ایسا نہ ہو
کہ دوبارہ ایسا موقع نہ ملے۔

۲۰ ربیع الثانی سنہ ۸۰۱ھ کو بہادر پور سے نکلکر حضرت مخدوم ۲۲ ربیع الثانی سنہ مذکور کو گوالیر پہنچے۔ راستہ میں عجیب واقعہ پیش آیا۔ تقریباً گوالیر سے بیس کوس کے فاصلہ پر چند لٹیروں نے حضرت کو لوٹ لینا چاہا اسی اثناء میں مولانا علاؤ الدین گوالیری مع رفقاء کے آ پہنچے اور وہ لٹیرے بے سرو پا بھاگ گئے۔ گوالیر پہنچ کر حضرت مولانا علاؤ الدین کے مکان پر فرد کش ہوئے مولانا مذکور نے قدمبوسی حاصل کرنیکے صلہ میں کندوری کی اور خاتمہ پڑھی دوسرے دن تمام مال و اسباب اور اہل خاندان کی فہرست مرتب کر کے حضرت کے نذر کی جس میں حضرت نے کچھ روپیہ اور جانور اور کتابیں قبول کیں اور ارشاد فرمایا کہ مولانا تمہاری اولاد میری اولاد ہے۔

---

[1] مکتوبات بندہ نواز ص۴۴ و سیر محمدی ص۲۲

اس ایثار پر بہت خوش ہوئے اور گوالیر سے نکلتے وقت ۷ ارجمادی الآخر سنہ ۸۰۱ھ کو مولانا علاؤالدین کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا اور مولانا حمیدالدین سے جو دہلی سے حضرت کے ساتھ تھے خلافت نامہ لکھوا کر عطا کیا۔ خلافت دینے پر چند احباب معترض ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ نے اب تک اپنے صاحبزادوں کو خلافت عطا نہیں کی۔ مولانا علاؤالدین کو نوازنے کی کیا وجہ ہے اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ کام وہ اپنی مرضی سے نہیں کر رہے ہیں بلکہ انہیں اس کا حکم ہوا ہے ورنہ وہ خلافت پہلے صاجزادوں کو عطا کرتے۔

حضرت گوالیر سے بھاندیر پہنچے جہاں پر ذوالقرنین دانشمند نے جو حضرت چراغ دہلوی کے مرید تھے مع اہل خانہ کے حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی بھاندیر سے حضرت ایرچہ پہنچے اور لوگوں کو مرید کرتے اور بیعت کرتے ہوئے چھترا چندیری ہوتے ہوئے عیدالفطر کی رات سنہ ۸۰۱ھ میں بڑودہ پہنچے۔ بالائے حوض قیام فرمایا۔ آدم خاں اور ان کے لڑکے مرید ہوئے نیز مظفر خاں اور نثار خاں نے زادہ راہ کے لئے خرچ پیش کیا۔ وہاں سے آپ چند دن آرام لے کر کھنبایت پہنچے اور چند دن گجرات میں قیام فرما کے بڑودہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن دفعتاً آپ نے سلطان پور سے دولت آباد کا رُخ کیا۔ دولت آباد پہنچکر والد بزرگ سید یوسف حسینی کی زیارت کی۔

گلبرگہ شریف میں آمد

سنہ ۸۰۰ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی تخت سلطنت پر بیٹھ چکا تھا اور گلبرگہ اس وقت بہمنیوں کا پایہ تخت تھا۔ سلطان کو معلوم ہوا کہ حضرت دہلی سے دکن آرہے ہیں تو اپنے طرف سے عضدالملک جو دولت آباد کا حاکم تھا لکھا کہ حضرت کی خدمت میں میری طرف سے تحفہ تحائف پیش کرے

"سیر محمدی" میں لکھا ہے کہ حضرت نے دولت آباد سے گلبرگہ کا قصد کیا۔ سلطان فیروز شاہ استقبال کے لئے شہر سے باہر آیا اور راستہ ہی میں قدمبوس ہوا۔ نیز سلطان اس بات پر مصر ہوا کہ حضرت ہمیشہ کے لیے گلبرگہ ہی میں قیام فرمائیں۔ حضرت نے تھوڑی دیر مراقبہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری عمر بہت تھوڑی رہ گئی ہے تمہارے مرنے کے بعد مجھے کیا آرام ملے گا ورنہ میں تمہاری درخواست ضرور قبول کرتا۔ سلطان نے عرض کی کہ آپ اس بات پر قادر ہیں کہ خدا کی بارگاہ میں میری درازئ عمر کے لئے دعا فرمائیں حضرت نے کہا کل میرے پاس آؤ جواب دوں گا۔ آپ نے دعا فرمائی جو بارگاہ رب العزت میں قبول کی نظر سے دیکھی گئی۔ دوسرے روز جب سلطان حاضر خدمت ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

"فرمان شد کہ عمر او را زیادت کردیم تا آنکہ تو بزی او ہم بزید"[1]	"فرمان ہوا کہ اس کی عمر زیادہ کر دی ہے جب تک تو زندہ رہے وہ بھی زندہ رہے گا"

حضرت نے سلطان کی درخواست قبول کی حسب ارشاد دونوں کا وصال ایک ہی سنہ میں ہوا۔

حضرت کے گلبرگہ بشریف آوری کے متعلق مورخین میں کچھ اختلاف ہے لیکن قریب ترین صحیح سنہ ۸۰۳ھ کے متعلق قطعی دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) سیر محمدی میں سنہ ۸۰۱ھ دہلی سے نکلنے کی تاریخ ہے۔

(۲) "تبصرۃ الخوارقات" میں یہ عبارت (شعر) درج ہے۔

دو سال و بست در گلبرگہ بودند   در کشف و کرامت را کشودند

---

[1] سیر محمدی ص۱۹

حضرت کا وصال سنہ ۸۲۵ھ میں ہوا یشعر کی رو سے حضرت ۲۲ سال گلبرگہ میں رہے اگر یہ مدت سن وفات سے حذف کر دی جائے تو سنہ ۸۰۳ھ ہی آمد کا سنہ قرار پاتا ہے۔

(۳) "برہان مآثر" میں سنہ ۸۰۲ھ کے واقعات میں سید علی طبا طبا بیان کرتا ہے کہ فیروز شاہ نے نئے شہر فیروز آباد کی بنیاد ڈالی اور دارالسلطنت گلبرگہ کو روانہ ہوا اور۔

"درایں سال قدوۂ ارباب حال و سرد فتر ارباب کمال قطب سپہر سیادت و معرفت مرکز دائرۂ حقیقت و طریقت شاہباز بلند پرواز سید محمد گیسو دراز با جمع از مریداں باکمال و درویشاں صاحب حال را جانب دہلی بہ ملک دکن تشریف قدوم فیض لزوم ارزانی فرمودہ دارالسلطنت گلبرگہ را از مقدم مکرم خویشتن رشک فلک اعظم ساخت۔"

"اس سال میں ارباب حال کے پیشوا اور ارباب کمال کے راہنما۔ سیادت و معرفت کے آسمان کے قطب حقیقت و طریقت کے دائرہ کے مرکز۔ شاہباز بلند پرواز سید محمد گیسو دراز اپنے باکمال مریدوں اور صاحب حال درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ دہلی سے دکن کی جانب تشریف لائے اور دارالسلطنت گلبرگہ کو اپنی مبارک آمد سے رشک فلک اعظم بنا دیا۔"

اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت سنہ ۸۰۲ھ کے بعد گلبرگہ تشریف لائے لیکن "تاریخ حبیبی" میں ورود کا سنہ ۸۰۴ھ بتایا گیا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں سنہ ۸۱۵ھ میں آمد بتائی گئی۔ غالباً "تذکرۃ الاولیائے دکن" مصنفہ عبدالجبار اور روضۃ الاولیاء مصنفہ غلام علی آزاد بلگرامی فرشتہ کے اتباع میں سنہ ۸۱۵ھ کا سن درج کرتے ہیں۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۸۱۵ھ میں حضرت کی گلبرگہ آمد کسی

طرح ممکن نہیں کیونکہ حضرت کو دہلی سے گلبرگہ آنے کے لئے دس بارہ سال کا عرصہ قطعی درکار نہیں تھا جب کہ ہم کو معلوم ہے کہ حضرت امیر تیمور کے حملے سنہ ۸۰۱ھ کی زد سے بچنے کے لئے منزلوں کو کوتاہ کرتے ہوئے بڑھتے گئے نیز "سیر محمدی" میں درج ہے کہ مخدوم زادہ بزرگ کا انتقال ۸۱۲ھ میں گلبرگہ میں ہوا اور آج بھی ان کا روضہ مقام مذکور پر مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ خود محمد علی سامانی کہتا ہے کہ مولانا علاؤالدین گوالیری سنہ ۸۰۶ھ میں حضرت سے قدمبوسی حاصل کرنے کے لئے گلبرگہ تشریف لائے چنانچہ درج ہے۔

"وقتی خدمت مولانا علاؤالدین گوالیری برائے پائبوس حضرت مخدوم در گلبرگہ رفتہ بودم در سنہ ۸۰۶ھ ستہ و ثمانمایہ۔ تمہیدات عین القضاۃ و خصوص پیش حضرت مخدوم خواندند"	"ایک مرتبہ مولانا علاؤالدین گوالیری کے ساتھ حضرت مخدوم کی قدمبوسی کے لئے گلبرگہ گیا تھا سنہ ۸۰۶ھ میں۔ تمہیدات عین القضاۃ خصوص حضرت مخدوم کے سامنے پڑھیں"

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مخدوم سنہ ۸۰۶ھ سے قبل گلبرگہ تشریف لے گئے۔ اب رہا سوال سنہ ۸۰۳ھ و سنہ ۸۰۴ھ کا تو تقویت سنہ ۸۰۳ھ کو حاصل ہے کیونکہ تبصرۃ الخوارقات کی عبارت مندرجہ اور "برہان مآثر" کی عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سنہ ۸۰۲ھ کے بعد بقول صاحب برہان مآثر اور ۸۰۲ھ میں تبصرۃ الخوارقات کے شعر کی رو سے "ونیز سہ سال درمیاں راہ ماندند" کی عبارت سے اگر ہم حضرت کے دہلی سے نکلنے کے سن کو بھی شمار کرلیں تو حضرت کے ورود کا سنہ ۸۰۳ھ ہی طے پاتا ہے۔ باقی تمام سنین غلط اور بعید از قیاس ہیں۔

گلبرگہ کے قیام کے دوران میں حضرت مخدوم ارشاد و ہدایت کا کام

۱؎ سیر محمدی ص۴۵

کرتے رہے اسی زمانہ میں حضرت نے اپنی بہت سی تصانیف بھی ختم کیں چنانچہ (۳۰) کتابوں کے تصنیف کرنے کا ذکر "تبصرۃ الخوارقات" میں کیا گیا ہے۔ حضرت کے سوانح نگاروں نے بہت سے واقعات اس دور کے لکھے لیکن سلطان فیروزشاہ بہمنی و سلطان احمد شاہ ولی البہمنی کے ساتھ حضرت کے تعلق کے متعلق چیدہ چیدہ طور پر اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر بھی ان تمام واقعات کا یہاں ذکر کیا جائیگا جو دوسری کتابوں کے علاوہ خود حضرت کی تصنیفات میں کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔

سنہ ۸۰۶ھ میں حضرت علاءالدین گوالیری حضرت مخدوم سے ملنے تشریف لائے اور حضرت سے تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی اور خصوص الحکم پڑھیں۔ بعد ازاں سوانح جو شیخ احمد غزالی کی تصنیف ہے پڑھنے کی درخواست کی۔ اس پر حضرت مخدوم نے اپنا ایک واقعہ جو دہلی میں پیش آیا تھا بیان فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ ایک وقت میں دہلی میں سوانح پڑھانا چاہتا تھا۔ میں نے عالم واقعہ میں دیکھا کہ شیخ احمد غزالی تشریف لائے اور کہنے لگے کہ تم میری کتاب کو جو ابتک بکر (اچھوتی) ہے پڑھانا چاہتے ہو۔ حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ آپ مردوں کے سامنے اچھوتی کا نام لیتے ہو اس پر امام غزالی نے فرمایا کہ تم مشقت دیکھو گے چنانچہ حضرت چھ مہینے بیمار رہے۔ بعد میں امام مذکور نے پڑھانے کی اجازت دے دی۔ گلبرگہ میں حضرت نے مولانا علاؤالدین گوالیری اور مخدوم زادہ بزرگ کو سوانح پڑھائی دونوں شاگردوں نے اس کی ایک شرح لکھی جس کو حضرت نے پسند فرمایا۔

سنہ ۸۰۷ھ میں حضرت نے اپنے مریدوں کی خاطر "شرح رسالہ قشیریہ" اور خاتمہ کی تصنیف کی جن کا ذکر آئے گا[1]

---

[1] سیر محمدی و جوامع الکلم

سنہ ۸۱۰ھ میں حضرت نے قاضی محمد اسحٰق اور شیخ صدرالدین کو خلافت عطا کی۔ سنہ ۸۱۱ھ میں حضرت نے مخدوم زادہ بزرگ میاں سید اکبر حسینی کو ان کے کشف وکرامات اور حالات دیکھ کر خلافت عطا فرمائی۔ لیکن افسوس کہ وہ ایک سال بعد ہی یعنی سنہ ۸۱۲ھ میں اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون، حضرت کو آپ کی رحلت کا بہت قلق رہا۔ چنانچہ ایک مکتوب میں اس کا اظہار کیا ہے۔

"فرزند دینی مولانا علاؤالدین کالپوی دعاے محمد حسینی مطالعہ کنند زبان از گفتار گنگ است وقلم از رفتار لنگ است چہ جام مراد ما بکام ما نہ پیوست و مدخر صبوح ما در غرقاب نوح افتاد ...... انچہ ما قدخواستیم خدا نخواستہ ہاں ہاں این کلام جامع اسرار سیاں است ہمہ را بخوان انا اللہ وانا الیہ راجعون من مدعی صبر نہ ام زیرا چہ صبر بادی مبارزی است وچہ جای شکر است کہ شکر بادی برابری است ای محمد یوسف حسینی گیسو دراز سخن را کوتاہ کن" [1]

"دینی فرزند مولانا علاؤالدین کالپوی محمد حسینی کی جانب سے دعا مطالعہ کرے۔ زبان کہنے سے قاصر ہے اور قلم بیان سے باہر ہے کہ ہماری مرادوں کا جام ہمارے حلق تک نہ پہنچا ..... جو کچھ ہم چاہتے تھے خدا نے نہیں چاہا۔ خبردار یہ کلام جامع قدسیوں کے راز ہیں سب کے لیے پڑھیے انا اللہ وانا الیہ راجعون میں صبر کا مدعی نہیں ہوں اس لئے کہ صبر اس کے ساتھ ایک جنگ ہے۔ اور شکر کا کونسا مقام ہے کہ شکر اس کے ساتھ برابری ہے۔ ای محمد یوسف حسینی گیسو دراز بات کو کوتاہ کیجیے۔"

اس عبارت سے حضرت کے تاثرات کا پتہ چلتا ہے کتنے دردمندانہ طریقہ

---

[1] مکتوبات بندہ نواز۔ مکتوب ۲۲

پر اپنے امیدوں پر پانی پھرنے کے واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت مخدوم زادہ بزرگ کی بہت عزت کرتے اور خود نذر پیش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اگر میرا لڑکا نہ ہوتا تو میں ان کے لئے لوٹے میں پانی بھر لاتا آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ دو شخص اب تک اپنے پیروں سے سبقت لے گئے ایک حضرت قطب الدین۔ حضرت معین الدین اجمیری سے اور دوسرے محمد اکبر مجھ سے [1]

سنہ ۸۱۳ھ میں حضرت نے "آداب المریدین" کی چوتھی شرح لکھی قبل ازیں حضرت تین شرحیں لکھ چکے تھے۔

سلطان فیروز شاہ سے ناراضگی

سلطان فیروز شاہ بہمنی خاندان بہمنیہ کا بڑا ممتاز ترین سلطان گذرا ہے اس کے زمانہ میں گلبرگہ رشک ارم بنا ہوا تھا۔ "لطائف اشرفی" میں سید اشرف جہانگیر سمنانی نے اس شہر کی بڑی تعریف کی اور یہاں کے لوگوں کو بہت خوبصورت بتایا ہے۔ لیکن آج کل حالات اس کے بالکل برعکس ہیں فیروز شاہ نے سلطنت کے حدود بہت وسیع کئے اور اپنی تمام عمر ہندوؤں سے لڑنے میں گزاری مثلاً دیورائے اور راجہ پانگل کو وہ ہمیشہ شکست دیتا رہا اور ان سے خراج وصول کرتا رہا۔ اس نے ایک شہر بھی بنایا تھا جس کا نام اپنے نام پر فیروز آباد رکھا تھا۔ فیروز شاہ بڑا شان و شکوہ کا بادشاہ تھا لیکن باطنی حیثیت سے فقیر تھا بہت ہی متشرع اور متدین تھا۔ صوم وصلواۃ کا پابند تھا۔ روزانہ ربع پارہ قرآن شریف کا لکھتا اور جب قرآن ختم ہو جاتا تو مسجدوں اور خانقاہوں میں بھیج دیتا۔ عبادت خالق اور عدالت خلائق سے فارغ ہو کر شب در روز مجلس خاص منعقد کرتا ان مجلسوں میں علماء۔ مشائخ۔ شعراء۔ ظرفاء اور ندماء شریک رہتے۔ تحقیق مذہب

---

[1] میر محمدی ص۱۲

کا اسے خاص شوق تھا ۔ چنانچہ تمام مذاہب کے علماء اور پنڈت اس کے پاس جمع رہتے جن سے ان کے مذہب کے متعلق بحثیں کرتا علماء اور فضلاءؑ کی بڑی قدر کرتا تھا ۔ دوسری طرف بادشاہ کو عیش پرستی کا بھی چسکا لگا ہوا تھا ۔ چنانچہ اس نے فیروز آباد کا شہر بنا کر اس میں حوران ارضی کو جگہ دی تھی ۔ اور سال میں ایک دو مرتبہ یہاں آکر عیش کرتا تھا۔ بادشاہ کو علم معقول اور مناظروں سے بڑی دلچسپی تھی چنانچہ ہر پنجشنبہ کو اس کے پاس مناظرے ہوتے جس میں وہ خود بحیثیت معترض مناظرہ سنتا تھا ۔ حضرت بندہ نواز کا چرچا سنکر پہلے پہل ان کی بڑی قدردانی کی چنانچہ "برہان ماثر" میں لکھا ہے کہ ۔

" وچوں پر تو ایں خبر (آمدن حضرت گلبرگہ) بر پیشگاہ ضمیر اطہر فیض گستر تافت بر حکم اعتقاد و اخلاص کہ حضرت سلطان را با سادات عظام کرام و مشائخ عالی مقام ذوی الاحترام بود و صحبت ایں طبقہ عالیشان رغبت تمام داشت ۔ و در سوانح امور و معظمات مہمات از رائے مشکل کشائی ایں طائفہ عالیہ استفاضہ و استعداد می فرمود از وصول مقدم شریف آں سید عالی مقام

" اور جب اس خبر کا پر تو یعنی (حضرت کی گلبرگہ میں آمد) بادشاہ کے پاک ضمیر اور فیض پھیلانے والے قلب تک پہنچی ۔ اس حکم اعتقاد کو اخلاص کی رو سے جو بادشاہ کو سادات کرام اور محترم و عالی مقام مشائخ سے تھی اور اس عالی مرتبہ طبقہ کی صحبت کی طرف راغب تھا اور اپنے کاموں میں اور خاص اور اہم باتوں میں اس طبقہ کی رائے سے استفادہ اور فیض حاصل کرتا تھا ۔ اس عالی مقام اور بزرگ سید کی آمد سے

لہ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن مصنفہ عبدالجبار

ہدایت فرجام بغایت مبتہج و مسرور گشتہ
جمعی از فضلا را بخدمت آں سر
دفتر اولیا فرستاد تا استکشاف
احوال آں نیر فلک کمال نمودہ
سلطان را بر حقیقت حال مطلع
سازند - آں جماعت حسب الارشاد
سلطان بملازمت آں قدوہ ارباب
حالت شتافتہ آنحضرت را در انواع
علوم ظاہری و باطنی وکشف وکرامات
ومقامات در مرتبہ کمال یافتند لا
جرم بخدمت سلطان شتافتہ آنچہ
یافتند معروض داشتند وایں معنی
باعث از دیاد مواد اعتقاد سلطان
بادین ودا دگشتہ بہ صحبت آں مرشد
کامل رغبت فرمود و از لوازم تعظیم
وتکریم دقیقی نامرعی نداشتہ چند
موضع آبادان بانعام خدام آں
آستان مقرر داشت بعضی گفتہ
اند کہ در ملاقات اول میاں سلطان
وحضرت سید محمد گیسو دراز فی الجملہ
تقاربی بہم رسیدہ روز بروز
متزاید می گردید تا زمانی کہ
بحسب گردش دوران سلطان

نہایت خوش ہوا - اور ایک فاضلوں
کی جماعت اس سردار اولیاء کی
حضور میں بھیجی تاکہ اس فلک کمال
کے سورج سے حالات کا اکتشاف
کرکے سلطان کو اس حقیقت سے
آگاہ کرے حسب الارشاد وہ جماعت
حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور
دیکھا کہ حضرت جملہ علوم ظاہری و
باطنی وکشف وکرامات میں مرتبہ
کمال پر ہیں اس لئے بالضرور سلطان
کی خدمت میں حاضر ہوکر جو کچھ دیکھا
بیان کردیا اور یہ طریقہ سلطان کے
اعتقاد میں زیادتی کا باعث ہوا
اور اس مرشد کی صحبت کی طرف
راغب ہوا اور تعظیم کے لوازمات
کے طور پر اور عزت کے طریقوں پر
عمل پیرا ہوکر سلطان نے چند آباد
مواضعات جملہ خادمین کے ساتھ
مقرر کردیا - بعض کہتے ہیں کہ ملاقات
اول میں حضرت سے سلطان کو کچھ
ایسا تقرب حاصل ہوا کہ روز بروز
بڑھتا گیا یہاں تک کہ سلطان
گردش دوران کے ہاتھوں تخت

از سلطنت معزول گردید[1]   سلطنت سے معزول ہوگیا تب تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

لیکن یہ قدردانی زیادہ دیرپا نہ رہی کیونکہ بادشاہ علوم معقول کا دلدادہ تھا اور حضرت علم منقول و تصوف کے منتہی تھے۔ اگرچہ کہ سلطان جیساکہ "سیر محمدی" و "تاریخ حبیبی" میں درج ہے بدھ کے روز حضرت سے ملتا لیکن پہلی سی آؤبھگت نہ رہی تھی برخلاف سلطان فیروز کے اس کا بھائی احمد خاں حضرت کی بہت قدر کرتا تھا۔ اور روز حاضر خدمت ہوکر علوم سے فیض یاب ہوتا۔ اس نے اپنے بھائی سے اجازت حاصل کرکے ایک خانقاہ بھی تعمیر کردی تھی جو اب تک موجود ہے۔

سلطان فیروز کے دربار میں دو غلام ہوشیار اور ربید ار نامی اپنی فراست اور دانائی کی وجہ سے بادشاہ کے مورد التفات تھے اور نظام الملک وعین الملک کا خطاب پا چکے تھے۔[2] بادشاہ کے بڑے منہ چڑھے ہوگئے تھے۔ نیز امور سلطنت میں دخل دینے لگے تھے۔ چونکہ احمد خاں اپنی سخاوت اور پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے مرجع خلائق بنا ہوا تھا۔ دونوں غلام اس سے حسد کرتے تھے چنانچہ دونوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ احمد خاں بہت طاقت حاصل کرتا جارہا ہے۔ ڈر ہے کہ آپ کے بعد وہی سلطان بن بیٹھے۔ ایسی صورت میں اس کو قتل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے نیز جلد ہی حسن خاں کو جو بڑا عیاش شہزادہ تھا ولیعہد مقرر کیا جائے۔ سن رسیدہ بادشاہ غلاموں کی فراست کا شکار ہوگیا۔ بادشاہ نے مشورہ میں صرف اتنی ترمیم کی کہ احمد خاں کو بجائے قتل کرنے کے جلاوطنی کی ٹھان لی۔ احمد خاں کو جب اس بات کی

---

[1] برہان مآثر } مصنفہ سید علی طباطبا
[2] برہان مآثر

اطلاع ہوئی تو وہ بھاگتا ہوا حضرت مخدوم کے پاس پہنچا اور کیفیت بیان کی حضرت نے اسے تسلی دی اور کھانا کھلایا ۔ اور اپنے دست مبارک سے احمد خاں اور اس کے بیٹے ظفر خاں کے سروں پر دستار باندھی اور ارشاد فرمایا کہ جاؤ تم دونوں اس سلطنت کے بادشاہ ہوگے ۔ احمد خاں اور اس کا بیٹا ظفر خاں وہاں سے بھاگ گئے ۔

ادھر سلطان فیروز نے غلاموں کے کہنے پر سنہ ۸۱۸ھ میں حسن خاں کو ولیعہد مقرر کرنے کی ٹھان لی ۔ دربار ہوا اور عیاش شہزادہ حسن خاں کی ولیعہدی کا اعلان کیا گیا ۔ ساتھ ہی سلطان نے حضرت کی خدمت میں چند ارباب سلطنت کو روانہ کیا تاکہ حضرت ولیعہد کے لئے دعا فرمائیں حضرت نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جب بادشاہ نے ولیعہد مقرر کر لیا ہے تو فقیر کی دعا کی کیا ضرورت ہے لیکن بادشاہ نہ مانا اور دوبارہ لوگ بھیجے اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بعد سلطنت کا تاج احمد خاں کی قسمت میں ہے اس لئے میرا دعا کرنا بیکار ہے ۔ اس پر بادشاہ بہت ناراض ہوا اور حکم دیا کہ خانقاہ محل سے قریب ہے لوگوں کا اژدہام رہتا ہے اس لئے حضرت یہاں سے چلے جائیں چنانچہ حضرت وہاں سے تبدیل ہوکر اس مقام پر گئے جہاں آج کل ان کا مزار ہے ۔

احمد خاں نے تھوڑی فوج کے ساتھ فیروز شاہ سے لڑنے کا ارادہ کیا فیروز شاہ کے سپاہی جو بادشاہ سے ناراض ہوچکے تھے اور " بیدار و ہوشیار " کے دست ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے بادشاہ کی ملازمت چھوڑ کر احمد خاں سے جا ملے ۔ فیروز شاہ نے جب یہ رنگ دیکھا تو خود ہی صلح کرلی ۔ احمد خاں کو بلایا اور تخت سلطنت حوالے کرکے خود گوشہ نشین ہوگیا ۔ سنہ ۸۲۵ھ میں اس دنیا سے چل بسا ۔

وفات حضرت مخدوم احمد خاں کے تخت نشین ہونیکے تھوڑے

ہی عرصہ بعد ۱۶ ذی قعدہ سنہ ۸۲۵ھ کو اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ مادۂ تاریخ رحلت "مخدوم دین و دنیا"[۱] ہے۔ احمد شاہ نے جس کو حضرت سے بڑی عقیدت تھی۔ آپ کی پختہ مزار بنائی اور اس پر ایک گنبد تعمیر کروایا جو اپنی بزرگی اور خوشنمائی کے اعتبار سے ہندوستان میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ اس گنبد کی تعمیر سلطان علاؤالدین کے زمانے تک جاری رہی۔ ابراہیم قطب شاہ نے اس پر باہر کا گلابہ کروایا۔ ۱۰۵۵ھ میں محمد عادل شاہ نے قدیم کلس نکالکر نیا کلس چڑھایا۔ افضل خاں سپہ سالار بیجاپور نے پائیں دروازہ بیرونی مسجد اور سرائے تعمیر کروائی۔ شہنشاہ عالمگیر اور رنگ زیب نے اندرون درگاہ مسجد۔ سماع خانہ۔ حجرے اور حوض تعمیر کروائے۔ اسی طرح کئی بادشاہوں نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ آج بھی حضرت کا عرس بڑی دھوم دھام سے گلبرگہ میں منایا جاتا ہے۔ حیدرآباد کی حکومت کی جانب سے صندل نکالا جاتا ہے۔ جس میں حکومت کی پولیس اور فوج باقاعدہ شریک رہتی ہے۔ دور دور سے لوگ زیارت کو آتے ہیں اور اپنی مرادیں پاتے ہیں۔

انتقال کے وقت حضرت کی عمر (۱۰۵) سال (۳) مہینے (۱۲) روز تھی

یہاں پر ایک خط درج کیا جاتا ہے جو قاضی سراج الدین خادم کی جانب سے مولانا ابوالفتح کو لکھا گیا تھا اس عبارت سے حضرت کی تاریخ وفات معلوم ہوتی ہے۔[۲]

"المقصود واقعہ عجیب زاد شانزدہم ماہ ذی قعدہ اول وقت چاشت روز دوشنبہ سنہ خمس وعشرین

"المقصود یہ واقعہ ناقابل برداشت ۱۶ ذی قعدہ بوقت صبح بروز پیر ۸۲۵ھ میں پیش آیا اور

---

۱ سیر محمدی - ۲ مکتوبات بندہ نواز ص۱۴۹

وشما نمایہ حضرت قطبی برحضرت اعلیٰ رجعت فرمودند - جز صبر چہ چارہ؟"

حضرت قطبی نے حضرت اعلیٰ کی جانب مراجعت فرمائی - سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں ہے۔"

خدا مرحوم کو اپنے محبوب ترین بندوں میں جگہ دے آمین انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ك مکتوبات بندہ نواز ص۱۷۱

باب دوم

خصائل وراہ وروش

حضرت مخدوم ارکان دین کے بہت پابند تھے ۔ آپ سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہوتا جو خلاف شریعت ہو ۔ صاحب سیر محمدی و تذکرہ حبیبی بیان کرتے ہیں کہ ایام رضا سے ایک شخصیت عالم غیب کی طرف سے آپ پر متعین تھی جو نامشروع کاموں سے کہ مقتضائے بشریت ہے آپ کو باز رکھتی یہ کیفیت شیخ الاسلام حضرت نصیرالدین چراغ دہلی سے بیعت کرنے تک رہی ۔

ابتدائے عمر ہی سے آپ نماز و روزے کے پابند تھے ۔ نماز ہمیشہ باجماعت ادا فرماتے کبھی اکیلے نماز نہ پڑھی ۔ بیعت کے بعد سے پیرو مرشد کے مشورہ پر دائم الصوم ہو گئے ۔ اکثر طے (مسلسل) کے روزے رکھتے ۔ مریدوں کو بھی ان کی استطاعت کے موافق ہمیشہ روزہ رکھنے کی تلقین فرماتے اور مشورہ دیتے کہ کم سے کم ایام بیض (یعنی ہر ماہ کے ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ تاریخ) کے روزے رکھا کریں ۔ جس زمانے میں آپ گلبرگہ میں سکونت پذیر تھے قاعدہ تھا کہ مولانا بہاء الدین امامت کرتے اور مولانا قطب الدین اذان دیتے ۔ آپ مقررہ جگہ پر لوگوں سے ہٹ کر سنت ادا کرتے اور بعد میں جب تکبیر ہوتی تو فرض ادا کرنے کے لئے اندر جاتے ۔

آپ ہمیشہ اپنے پیر کے بتائے ہوئے اوراد کا ورد کرتے ۔ نیز روزانہ

قرآن مجید کی تلاوت فرماتے اور اس کا ثواب شیخ الاسلام کی روح پر فتوح پر ایصال فرماتے۔ صبح و عشاء کی نماز کے بعد قرآن مجید کی (۳۳) آیات پڑھتے۔ نماز عصر کے بعد بلا ناغہ دعاء استفتاح پڑھتے مداومت کا یہ عالم تھا کہ ضعیفی میں بھی یہ چیزیں نہ چھوڑیں۔ جب خود ممکن نہ ہو سکا تو بندگی میاں ید اللہ حسینی سے بآواز بلند قرآن واوراد مقررہ کی تلاوت کرواتے۔

روز آنہ کا معمول تھا کہ دوپہر کے وقت قیلولہ فرماتے اور ہمیشہ اس بات کا اظہار فرماتے کہ بقول شیخ الاسلام جو صوفی دوپہر میں قیلولہ نہیں کرتا تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ رات میں بیداری کا ارادہ نہیں رکھتا۔ قیلولہ سے فارغ ہونے کے بعد وضو کرتے اور نماز عصر ادا فرماتے بعد نماز مجلس آراستہ ہوتی جو تکلفات سے خالی ہوتی تمام لوگ جمع ہوتے تھے۔ اور حضرت احادیث فقہہ اصول فقہہ وغیرہ کی تفسیر فرماتے.... اسی وقت مرید ہونے والے حضرات حاضر خدمت ہو کر فیض صحبت سے مستفید ہوتے۔ مجلس میں کسی کی مجال نہ تھی کہ ادب کے خلاف زور زور سے باتیں کرے یہی وقت عموماً حضرت کے تصنیفات لکھوانے کا ہوتا۔

آپ کو سماع سے بہت رغبت تھی چنانچہ "تاریخ جیلی میں درج ہے کہ

"می فرمودند (حضرت مخدوم)
مرا کہ ایں راہ کشادہ از بسیاری
تلاوت کلام اللہ و از شنیدن سماع"

"فرماتے تھے (حضرت مخدوم)
مجھ کو حقیقت کی راہ کلام پاک
کی تلاوت کی زیادتی اور سماع
کے سننے سے حاصل ہوئی ہے"

سماع میں آپ کو چشتیوں کی سی رغبت تھی۔ ابتدائی زمانہ

میں جب آپ دہلی میں سماع سنتے تو تمام مریدین و معتقدین جو مجلس میں ہوتے اپنا سر زمین پر رکھ دیتے۔ بعض لوگوں کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس واقعہ کو سلطان فیروز شاہ والیٔ دہلی کے روبرو پیش کیا۔ سلطان نے حکم دیا کہ حضرت سماع خلوت میں بیٹھ کر سنا کریں اس وقت سے آپ ایک پردہ درمیان میں نصب کروا دیتے اور حجرہ میں بیٹھ کر سماع سنتے۔ (سیر محمدی)

آپ کی مجلس سماع میں مزامیر نہ ہوتے تھے لیکن کوئی اگر بجاتا تو منع بھی نہ فرماتے۔ مجلس میں عود جلایا جاتا اور رات میں خوب روشنی کی جاتی۔ آپ کو فارسی غزلوں اور ابیات سے بہت شغف تھا۔ ہمیشہ ارشاد فرماتے کہ ہندی کی چیزیں اکثر نرم لوچدار اور دل کو نرم کرنے والی ہوتی ہیں۔ اور راگ بھی اس کے موافق نرم ہوتا ہے۔ جو عاجزی خرابی اور انکساری کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مرد صوفی کا میلان بھی ضرور تا ادھر ہوتا۔ لیکن ہر شرود کا ہنر اور موسیقار کے جذبات ادا کرنا فارسی ہی میں ممکن ہے۔

آپ بہت ہی تھوڑا کھانا کھاتے۔ خانقاہ سے آپ کے لئے ایک سیر آٹے کی آٹھ روٹیاں پک کر آتیں آپ اس میں سے صرف آدھی۔ روٹی تناول فرماتے۔ ایک لوٹے میں پانی رکھا جاتا جو شیخ الاسلام کا عطا کردہ تھا۔ آپ اسی پانی سے ہاتھ دھوتے غرغرہ کرتے اور پیتے۔ پان بھی شوق سے کھاتے لیکن ماہ صیام میں ترک کر دیتے اور فرماتے کہ پیر و مرشد بھی رمضان میں پان نہیں کھاتے تھے۔ اس لئے میں بھی نہیں کھاتا ہوں۔ فواکہات میں خربزہ پسند خاطر تھا لیکن کبھی ربع خربزہ سے زاید نہ تناول فرماتے۔ کبوتر کا گوشت کبھی استعمال نہ کرتے۔

کندوری وغیرہ کے وقت تمام لوگ اپنی مقررہ نشستوں پر بیٹھتے

حضرت سب کے درمیان میں ہوتے تمام لوگوں کو اپنے ہاتھ سے کھانا عنایت فرماتے اور اکثر ارشاد فرماتے کہ جو لوگ میرے پاس کھانا کھاتے ہیں مجھ پر احسان کرتے ہیں۔

آپ کا لباس بہت ہی سیدھا سادھا ہوتا علماء کی طرح کا لباس زیب تن کرتے۔ عموماً کمبل کا پیراہن ہوتا۔ پانچ گز کا عمامہ سر پہ باندھتے لیکن عید اور نماز جمعہ کے موقع پر سر پہ دستار رکھتے اور اس پر ایک چندری کا کپڑا لپیٹ لیتے۔ سالو وغیرہ قسم کے کپڑے سے آپ کو قطعی رغبت نہ تھی بعض وقت گرمی کے خیال سے تین گز کا عمامہ باندھتے کپڑے عموماً ڈھیلے ڈھالے اور فراخ ہوتے تھے۔

لوگوں سے آپ بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتے ریاضت و شغل میں بہت جفاکش تھے۔ تمام دنیوی امور کو اولیاء کرام کی ہدایت کے موافق بجالاتے۔ مذہبی جھگڑوں سے آپ کو قطعی سروکار نہ تھا۔ بہت ہی بہادر اور جفاجو تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپ کو چند آدمیوں نے گھیر لیا تاکہ لوٹ لیں آپ نے تن تنہا ان کا مقابلہ کیا اور ان کو بھگا دیا۔[1] طبیعت میں تنہا پسندی بہت تھی۔ ہمیشہ خلوت میں رہتے اور بلا ضرورت کسی سے بات نہ کرتے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"ذوقی کہ خداوند تعالیٰ در خلوت نہادہ است و در تنہائی و خرابہ بودن و صحرا ماندن و جنگل گشتن بخشیدہ است در ہیچ چیزی نباشد"[2]	"جو ذوق و شوق خداوند تعالیٰ نے خلوت میں رکھا ہے اور تنہائی، ویرانے و صحرا و جنگل میں رہنے میں بخشتا ہے کسی اور چیز میں نہیں۔"

---

[1] جوامع الکلم ص۱۸۱

[2] جوامع الکلم تحت ملفوظات ہفدہم ربیع الثانی سنہ ۸۰۳ھ

آپ جتنے بہادر اور جفاکش تھے اتنے ہی نرم دل بھی تھے۔ خدا نے آپ میں وہ صلاحیت عطا کی تھی کہ ذرا ذرا سے واقعات سے آپ کو عبرت ہو جاتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نہروالا سے گزر رہے تھے راستہ میں دیکھا کہ امساک باراں کی وجہ سے مردہ مویشیوں کے انبار لگے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کا دل پگھل گیا اسی اثنار میں آپ نے کووں کو دعا کرتے سنا کہ وہ اللہ کا شکر کر رہے ہیں کہ ان کا رزق وسیع ہو گیا ہے حضرت نے اس سے یہ سبق حاصل کر لیا کہ خدا کے قہر میں لطف ہے اور لطف میں قہر (جوامع الکلم و اسمار الاسرار)

کشف و کرامات

عموماً صوفیار کرام اور اولیاء اللہ سے کشف و کرامات ظاہر ہوئے ہیں۔ جو ان کی ولایت کی دلیل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قوت بدرجہ اتم پیغمبروں کو عطا کی ہے۔ ان سے خرق عادت کے ظہور کو معجزہ کہتے ہیں مثلاً آنحضرتؐ سے شق القمر کا معجزہ ظہور میں آیا۔ حضرت عیسیٰ کی مسیحائی اب تک زبان زد خاص و عام ہے۔ اسی طرح خرق عادت کا اولیار اللہ سے ظہور ہو تو اس کو کرامت کہتے ہیں۔ یہی چیز اگر کسی غیر مسلم سے سرزد ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں۔ خود حضرت مخدوم اس بارے میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

"کرامات عبارت از خارق عادت مستمرہ است نہ اثبات محال مثلاً عادت مستمرہ اینست میوہ تابستاں ہم در تابستاں باید و میوہ زمستاں در زمستان وخارق عادت اینست کہ میوہ زمستاں

"کرامت سے مراد خرق عادت مستمرہ ہے نہ کہ محال کا اثبات مثلاً عادت مستمرہ (یعنی رائج عادت) یہ ہے کہ گرمی کے موسم کا میوہ گرمی میں آئے اور جاڑے کے موسم کا میوہ جاڑے میں آئے اور خلاف

درتابستان و میوہ تابستان در زمستان و دیگر آب بطبیعت مغرق است خصوص شئ ثقیل را۔ کرامت اینست کہ بحسب خارق عادت یکی پائی بر آب نہد چنانکہ یکی بر سنگی و یا بر زمین خشکی پائی نہد و بگزرد۔[1]

عادت یہ ہے کہ جاڑے کا میوہ گرمیوں میں اور گرمیوں کا میوہ جاڑوں میں آئے۔ دوسرے یہ کہ ثقیل چیز کو پانی میں فطری طور پر ڈوب جانا چاہیئے لیکن کرامت یہ ہے کہ خرق عادت کے طور پر ایک شخص پانی پر پیر رکھے اس طرح جیسے کسی پتھر پہ پیر رکھا ہے۔ اور اس طرح چلے جیسے خشکی اور زمین پر پیر رکھ کر چلتا ہے۔

حضرت مخدوم سے بھی کئی کرامات ظہور میں آئیں۔ یوں تو کرامات کا ذکر چیدہ چیدہ طور پر مختلف سیر نگاروں کے پاس ملتا ہے لیکن اس باب میں مستند اور مستقل کتاب "تبصرۃ الخوارقات" ہے جس میں سو سے زاید کرامات کا ذکر پایا جاتا ہے۔ یہاں پر اسی کتاب سے چند کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ اودہ شیخ الاسلام شیخ فریدالدین مسعود قدس سرہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے شیخ موصوف کے نواسے شیخ منور نے آپ کو روضہ میں ٹھہرایا۔ وہاں پر حضرت ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو گئے شیخ منور کے ایک خادم نے رات میں دیکھا کہ آپ کے تمام اعضا جدا جدا پڑے ہیں۔ نوکر چلایا کہ آپ کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ تمام لوگ دوڑے ہوئے آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت صحیح و سالم قبلہ رو بیٹھے ہوئے ہیں

---

[1] رسالہ در رویت باری تعالیٰ و کرامات اولیاء ص۸

اودھ سے واپسی میں شیخ منور نے آپ سے دریافت فرمایا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مسیح کی شان میں نازل ہوا ہے کہ " وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم " اس کو تجلی کہتے ہیں۔ یہ حکایت اب تک اودھ میں زبان زد ہے [1]

ایک مرتبہ آپ دہلی سے گوالیار تشریف لے گئے تھے اور شیخ علاؤ الدین گوالیری کے مکان پر فروکش تھے۔ شیخ مذکور کے بھائی مولانا شمس الدین ایک شدید تکلیف میں مبتلا تھے۔ شیخ علاؤ الدین نے حضرت مخدوم سے التماس کی کہ ان کے حق میں دعائے خیر کریں آپ نے فرمایا کہ کل آکر جواب دوں گا۔ دوسرے روز جب حضرت علاؤ الدین حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کے لئے دعا کی حکم ہوا کہ اس کی عمر تمام ہو چکی ہے ابھی دس روز باقی ہیں۔ اس لئے مجبوری ہے۔ پھر شیخ نے عرض کی کہ ان کیلئے سلامتی ایمان کی دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میں کر چکا ہوں۔ حسب الارشاد ان کا انتقال دسویں روز ہوا حضرت علاؤ الدین نے مراقبہ میں دیکھا کہ ان کے بھائی ان سے کہہ رہے ہیں کہ میرا برا حال ہوتا اگر حضرت مخدوم مجھے آنحضرت کو سونپ نہ دیتے [2]

آپ جس زمانہ میں دہلی میں تشریف فرما تھے اس وقت مولانا حسین آپ کے مرید ہوئے لیکن ان کے داماد نے مرید ہونے سے انکار کر دیا۔ خسر کے اصرار پر حضرت کے پاس گئے اور دل میں کہنے لگے کہ اگر حضرت اپنی دستار اور پنکھا مجھے دے دیں تو میں مرید ہو جاؤں گا۔ اسی وقت حضرت گویا ہوئے کہ ایک بازی گر تھا جس نے بغداد میں اپنا کھیل بتایا کہ ایک گدھے کو پٹی باندھ دی اور مجمع سے کہا کہ ایک شخص دوسرے

---

[1] تبصرۃ الخوارقات ۔ [2] تبصرۃ الخوارقات و سیر محمدی

کی چیز چرالے یہ گدھا خود پہچان لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ گدھے کی پٹی کھولی گئی اور اس نے سونگھ کر چور کو پکڑ لیا۔ اس تمثیل کے بعد آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص کرامت کا ظہور کرے تو اس کو گدھے کے برابر ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور اگر نہ کرے تو اس کو بے فیض کہتے ہیں اس کے بعد آپ نے مولانا حسین کے داماد سے کہا کہ آؤ پنکھا و دستار (مندیل) لے جاؤ۔ یہ سن کر وہ کانپ اٹھے اور قدمبوس ہو کر مرید ہو گئے۔ (تبصرۃ الخوارقات و سیر محمدی)

خدمت خلق

حضرت مخدوم کا ابتدائی زمانہ یعنی سنہ ۷۵۷ھ تک کا تمام تر وقت پیر و مرشد حضرت چراغ دہلیؒ کی خدمت اور کسب باطنی و ظاہری میں گزرا لیکن سنہ ۷۵۷ھ سے سنہ ۸۲۵ھ تک طول طویل زمانہ تمام تر مشیخت اور خدمت خلق میں گزرا۔ اس زمانے میں چاہے آپ دہلی میں رہے ہوں یا گلبرگہ میں لوگوں کو تلقین و ہدایت کرتے رہے۔ کئی لوگ آپ کے فیض سے مستفید ہوتے رہے۔ عموماً آپ لوگوں کو مرید فرماتے اور آہستہ آہستہ حسب استطاعت عشق حقیقی کی تلقین کرتے۔ ان میں سے بعض مثلاً مولانا علاؤ الدین گوالیری و مولانا ابو الفتح وغیرہ جیسے بزرگوں کی پیاس جو تشنگان دیدار الٰہی و کشتگان محبت الٰہی تھے بجھائی ان بزرگوں نے سلوک میں اتنی ترقی کی کہ حضرت کے زمانہ ہی میں خلافت کے درجہ سے مشرف ہوئے۔ علاوہ ازیں آپ کی سب سے بڑی خدمت بندگان خدا کے حق میں نیز اسلام کے حق میں یہ تھی کہ آپ نے کئی کافروں اور بے دینوں کو جو ضلالت کے گڑھے میں پڑے ہوئے تھے مشرف با اسلام کیا۔ چنانچہ گزیٹر آف بمبئی میں صفحہ (۱۰۵) جلد (۱۷) پونا کے مسلمانوں کے بیان میں حضرت کے لوگوں کو مسلمان

بنانے کا ذکر ملتا ہے۔

Momins:— that is believers or weavers who are found in considerable numbers over the whole district. They are descended from Hindus of the Kosti and Sali Cas-tes, and are said to have been converted by the Saint Khaja Syed Hussaini Gaisudraz of Gulbarga about the year 1398 (800.H.).

عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ پونا کے مومن لوگ جو پہلے ہندو تھے حضرت مخدوم کی تعلیم اور حسن خلق سے متاثر ہو کر سنہ ۸۰۰ ھ میں مسلمان ہو گئے۔

باب سوم

تصانیف پر تبصرہ

حضرت مخدوم کی تصانیف کے بارے میں یہ ایک عام روایت ہے کہ ان کی تعداد آپ کی عمر کے برابر تھی لیکن افسوس کہ ان (۱۰۵) تصانیف کے بیش بہا ذخیرے میں سے چند ہی جواہر پارے دستیاب ہوتے ہیں باقی سب امتدادِ زمانہ سے ختم ہو چکے ہیں۔ محمد علی سامانی نے "سیر محمدی" میں صرف (۳۶) کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ اور صاحب تذکرہ حبیبی نے چار ملفوظات کے علاوہ تقریباً (۳۴) تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ صاحب تذکرہ حبیبی نے قیام گلبرگہ و دہلی کی کتابوں کو علیحدہ علیحدہ طور پر لکھا ہے اس لئے یہاں پر اسی کتاب سے تصانیف کی فہرست مرتب کی جاتی ہے۔

(الف) وہ کتابیں جو قیام دہلی کے زمانہ میں لکھی گئیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ملتقط تفسیر قرآن (۲) تفسیر دیگر کہ بر طریق کشاف آغاز کردہ بودند ولی تا پنج سپارہ شد (۳) حواشی کشاف (۴) اشارات المشارق (۵) رسالہ دربیان رویت ربی فی احسن صورۃ (۶) شجرہ نسب (۷) شرح رسالہ قشیریہ (۸) معارف العوارف (۹) شرح فصوص (۱۰) خلافت نامہ (۱۱) رسالہ دربیاں بود و ہست و باشد (۱۲) ترجمہ رسالہ شیخ محی الدین ابن عربی (۱۳) استقامۃ الشریعت (۱۴) حظائر القدس (۱۵) شرح تمہیدات (۱۶) ملفوظ اول (۱۷) ملفوظ ثانی ؎

(ب) وہ کتابیں جو بزمانہ قیام احسن آباد (گلبرگہ) لکھی گئیں۔
(۱) ترجمہ مشارق (۲) سیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اوراد مخصوص برائی مخدوم زادہ بزرگ (۴) شرح فقہ اکبر پارسی (۵) شرح قصیدہ امانی - (۶) شرح عقیدہ حافظیہ یا فضائل خلفاء (۷) ضرب الامثال (۸) حواشی قوت القلوب (۹) عقیدہ (۱۰) خاتمہ (۱۱) شرح عوارف دیگر (۱۲) شرح آداب المریدین عربی (۱۳) شرح آداب المریدین فارسی (۱۴) اسمار الاسرار (۱۵) حدائق الانس (۱۶) رسالہ دربیاں آداب سلوک ظاہر (۱۷) رسالہ دربیاں اشارات محبان حق جل وعلا (۱۸) رسالہ دربیاں ذکر ومراقبہ (۱۹) رسالہ دربیاں معرفت حضرت جل جلالہٗ (۲۰) مکتوبات بندہ نواز (۲۱) دیوان انیس العشاق (۲۲) چہار ملفوظات - (۲۳) معراج العاشقین (بزبان دکنی)

مندرجہ بالا کتابوں میں سے صرف (۱) ترجمہ آداب المریدین (۲) خاتمہ (۳) شرح رسالہ قشیریہ (۴) خظائر القدس (۵) اسمار الاسرار (۶) مکتوبات بندہ نواز (۷) جوامع الکلم (۸) دیوان انیس العشاق (۹) مجموعہ یازدہ رسائل (۱۰) معراج العاشقین (درچند رسائل بزبان دکنی دستیاب ہیں۔
ان کے علاوہ باقی تمام کتابیں ناپید ہیں -

عام تبصرہ

تصانیف کے بارے میں یہ چیز قابل غور ہے یا اس کو حضرت کی کرامت سمجھئے کہ جو کتاب آپ ایک بار لکھتے یا لکھواتے اس کی نظر ثانی نہ کرتے - پھر بھی کتابیں پایہ کی ہوتیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدا داد قابلیت تھی بلا کا حافظہ عطا ہوا تھا اور اس پر طرفہ یہ کہ بقول خود "درجوامع الکلم"

" ہرکس کہ درآں حضرت سلوک کرد بچیزی مخصوص شد ما بسخن مخصوصیم خدائے ما را دولت بیان اسرار خویش داده "

" ہر وہ شخص جس نے سلوک کا راستہ اختیار کیا کسی نہ کسی چیز کے لئے مخصوص ہو گیا - ہم سخن کیلئے (یعنی تحریر) مخصوص

کیے گئے ہیں خداوند تعالیٰ نے ہم کو
اپنے اسرار کے بیان کرنے کی دولت
سے مالا مال فرمایا ہے ۔

جو کتابیں دستیاب ہوتی ہیں ان کے پڑھنے کے بعد یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت کی تصنیفات تین اقسام پر مشتمل ہے ۔ (۱) وہ کتابیں جو طرز بیان کے اعتبار سے بالکل سیدھی سادھی اور مطالب کے لحاظ سے صریح الفہم ہیں (۲) وہ کتابیں جو بلحاظ زبان و بیان سلیس تو ہیں لیکن مطالب کے اعتبار سے ذرا دقیق واقع ہوئی ہیں ۔ ان کتابوں کا سمجھنا صرف ان لوگوں کے لئے ممکن ہے جو تصوف سے کچھ لگاؤ رکھتے ہیں ۔ ایسی کتابوں میں خطائر القدس اور بعض رسالے مثلاً تفسیر سورۂ فاتحہ حدائق الانس وغیرہ ہیں ۔ (۳) ایسی کتابیں جو اپنے انداز بیان اور طرز ادا کے اعتبار سے اچھوتی اور انوکھی ہیں ۔ زبان میں شیرینی لوچ اور رنگینی ہے ۔ مطالب بہت دقیق اور غامض ہیں ۔ ان کتابوں کا سمجھنا صرف تصوف کے منتہی حضرات کا کام ہو سکتا ہے ایسی کتابوں میں اسمار الاسرار ۔ رسالہ شرح بیت امیر خسرو ۔ رسالہ برہان العاشقین کا شمار ہو سکتا ہے ۔ ان کتابوں میں خواجہ صاحب نے تمام اسرار الٰہی اور تصوف کے مسائل رموز کے طور پر بیان فرمائے ہیں ۔

بایں ہمہ عام طور پر حضرت کی تصنیفات سیدھی سادھی اور سریع الفہم ہیں ۔ نہ آپ کی تحریر بالکل مسجع و مقفع ہے اور نہ ہی بالکل عاری بلکہ بین بین اور سادہ ہے ۔ عموماً آپ طویل جملوں سے پرہیز کرتے ہیں ۔ ادائے مطالب میں ایجاز و اختصار کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ۔ اور ہر جگہ "خیر الکلام ماقل و دل" کے پابند نظر آتے ہیں ۔ ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ مسائل کو اس خوبی سے ذہن نشین کرواتے چلتے ہیں کہ پڑھنے والے کے دماغ پر کوئی بار نہ ہو ۔ بلکہ وہ انہیں آسانی سے سمجھتا چلا جائے ۔ یہ ان

کا خاص انداز ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ (سعدی)

خواجہ صاحب کی تصانیف کے متعلق ایک اور بات ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ آپ نے جو کام کیا ہے وہ ادب یا زبان کے خاطر نہیں کیا بلکہ جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا کہ تمام کتابوں کے لکھوانے کا مقصد صرف مریدوں کی تفہیم تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے تفہیم کی خاطر پہلے بزرگان دین کی کتابوں کی شرحیں اور ترجمے کثرت سے کئے۔ عموماً کتابیں کسی کی فرمائش پر یا کسی مرید کی تلقین کے لئے لکھی جاتی تھیں ایسی کتابوں میں ظاہر ہے کہ سادگی اور اختصار ہی کو دخل ہوگا۔ نہ کہ رنگینی و طوالت کو باعث اظہار قابلیت ہو۔ مطالب واضح اور سریع الفہم ہوں گے نہ کہ پیچ اور غیر واضح بعض مواقع پر کتابوں میں بعض اردو الفاظ کا استعمال بھی نظر آئے گا جو صرف تفہیم کی خاطر کیا گیا ہے۔

اس عام تبصرہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر کتاب پر انفرادی طور پر روشنی ڈالی جائے اور ان کے مطالب سے مختصر طور پر روشناس کرایا جائے۔

اسمارالاسرار

کتاب حاضر یعنی "اسمارالاسرار" خواجہ صاحب کی بہت ہی اہم اور مستقل تصانیف میں سے ایک ہے اس کتاب کو مولوی سید عطا حسین صاحب ایم۔ اے ناظم تعمیرات (وظیفہ یاب) حیدرآباد نے مختلف نسخوں سے تصحیح اور تحشیہ کے بعد اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد سے شائع کروایا ہے۔ مرتب کے مقدمہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ خود ان کے پاس موجود ہے دوسرا معشوق یار جنگ کے پاس تیسرا حکیم سید مظفر حسین کے پاس اور چوتھا آصفیہ کتب خانہ حیدرآباد سے تصنیف و وجہ تصنیف، اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا کہ اس کتاب کی تصنیف

کس سنہ میں ہوئی ہے ۔ البتہ تاریخ جیبی میں لکھا ہے کہ یہ حضرت کے قیام گلبرگہ کے زمانہ کی تصنیف ہے ۔ چونکہ حضرت سنہ ۸۰۳ھ سے سنہ ۸۲۵ھ تک گلبرگہ میں رہے ۔ اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ان ہی سنین کے مابین یہ کتاب تصنیف کی ہوگی وجہ تصنیف کے بارے میں خود حضرت کتاب کے دیباچہ میں فرماتے ہیں ۔

" اما بعد چندگہی بلکہ زیادت از ہے .... دماغ لطیف وسبک شد گراں سنگی بباد ہوا رفت ۔ بخاصیت طبیعت میل برغزلی وشعری شد گفتم لاحول چہ کار من است وشعراء یتبعہم الغاون نعمت کار من شود بضرورت فکر مسائل برشعر شد ۔ در خاطر افتاد اگر سمر گویم باری اسرار الاسمر بحمل بعض مردم احرار را آں طرف لحظ شود وقوفی بر بعض خفایا الہیات یابند "

اصحاب ایں قدر بدانند کہ از خود چیزی نہ نبشتہ ایم ہرچہ مارا املا کردند ما بر مستعلی خویش ہماں چیز را بلا زیادت ونقصان حکایت کردیم "

" اما بعد کئی وقت بلکہ بسا اوقات .... جبکہ دماغ سبک و لطیف ہو جاتا ہے اگر گرانی ہوا ہو جاتی ہے طبیعت کے خاصہ سے غزل اور شعر کی جانب میلان ہوتا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ لاحول کیا یہ میرا کام ہے اور شعراء اور ان کے پیرو گمراہ واللہ کام میرا ہو ۔ ضرورتاً شعر کی جانب فکر مائل ہوتی ہے ۔ دل میں خیال پیدا ہوا اگر سمر کہوں یعنی کہانی یا سخن کہوں تو اسرار (بھید) کے سمر ہوں ۔ شاید بعض آزاد مردوں کو اس طرف توجہ ہو تو خداوند تعالیٰ کے رازوں سے واقفیت حاصل ہو وے ؛ لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ میں نے اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں لکھی جو کچھ لکھوایا گیا وہی لکھ دیا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس کتاب کے لکھنے کا مقصد لوگوں پر رموز اسرار کا انکشاف ہے ۔ نیز اس کتاب میں انہوں نے جو کچھ لکھا اپنی طرف سے نہیں لکھا بلکہ

"ہرچہ مارا املا کردند بلا زیادت ونقصان حکایت کردیم" کا قصہ ہے ۔

اہمیت کتاب

شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی معرکۃ الآرا رکتاب "اخبارالاخیار" میں اس طرح گویا ہیں کہ "جامع است میاں سیادت وعلم وولایت ۔ شانی رفیع ورتبتی منیع وکلامی عالی دارد" آگے خود کتاب کے متعلق فرماتے ہیں "حقائق ومعارف بزبان رمزو ایماو الفاظ واشارات بیان کردہ" یہ ان چند کتابوں میں سے ایک ہے جس کے متعلق خود حضرت مخدوم کو غیرت تھی ۔ چنانچہ تاریخ حبیبی میں لکھا ہے کہ

"القصہ خاصان مقرب وملازمان اقرب چنین می فرماید کہ حضرت قطب المشائخ (حضرت مخدوم) را از چند تصنیف خود غیرتیست ۔۔۔۔ سیوم اسمارالاسرار از خاصہ بربیاں حروف مقطعات"

نوعیت مطالب

دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب قرآن کی (۱۱۴) سورتوں کی طرح (۱۱۴) اسمار پر مشتمل ہے تاکہ اتباع تنزیل حاصل ہو ۔ ہر سمر میں کسی خاص آیت کی تفسیر تصوف وسلوک کے رنگ میں کی گئی ہے یا کسی خاص مسئلہ کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے ۔ مثلاً سمر اول میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کی یا سمر چہارم میں رسول اللہ کی حدیث "رایت ربی" لیلۃ المعراج فی احسن صورۃ" کی یا سمر ششم میں "الرحمٰن علی العرش استویٰ" کی مکمل ومختصر تفسیر موجود ہے ۔ اسی طرح توحید حقیقت باری تعالیٰ ۔ عشق اور معرفت وغیرہ کی گتھیوں کو بہت ہی مختصر اور واضح طور پر سلجھایا گیا ہے ۔ یہاں کتاب سے ایک سمر کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے ۔ جس سے حضرت کی طرز تحریر وطریقہ استدلال کا پتہ چلیگا ۔

"یکروز چنیں اتفاق افتاد آبی طول وعرض او ماشاءاللہ تاچہ قدر باشد ۔ اما عمقش از کمر زیادہ نیست ۔ جمع میروندیکی درآں میاں من نیز ہستم یک دختری سالی پانزدہی دنیز میاں آب میرود ۔ دخترک را جبالی

است کہ اگر از عکس پرتو او خلقت جو را جز دعوی خدائی نکنند۔ رنگ و رخسار و قد و بالائی او از امرد شاب واز احسن صورتے رمزی میفرماید میاں من و او یک فرسنگی باشد مرا بخود دعوت کرد۔ چنانچہ شی را بروی عروسی باحترام برند در آں آب بقیاس یک فرسنگ مرا بادی اتصال بود از شخصی از ...... او میگوید نہ آزان نوام نہ آزاں او من ازآں خودم و خود بخودم۔ و آں دخترک بعد از آنکہ میگوید عین اذاں من است من خود را عین او می یابم او آن آپ سر بسر کہ باتو گفتہ بودم ہمہ مغز واللہ علیم وحکیم؟ لہ

شرحِ رسالہ قشیریہ

یہ کتاب بھی حضرت مخدوم کی تصنیف ہے۔ جو امام ابو القاسم قشیری (المتوفی سنہ ۴۶۵ھ) کی مشہور کتاب "رسالہ قشیریہ" کی شرح ہے اس کتاب کو بھی مولوی عطا حسین صاحب نے تصحیح وتحشیہ کے بعد عہد آفریں پریس حیدرآباد سے سنہ ۱۳۰۱ھ میں شائع کروایا ہے۔ بقول مرتب اس کا ایک قلمی نسخہ ان کے پاس موجود ہے اور دوسرا آصفیہ لائبریری میں ہے۔ یہ شرح پورے رسالہ پر حاوی نہیں بلکہ "باب توکل" تک لکھی گئی ہے۔ یا تو نساخ نے اسے یہیں تک لکھا یا خود حضرت نے اس کو یہیں پر ختم کردیا ہے۔ بہر حال کسی تیسرے قلمی نسخہ کے ملنے تک اس کی تحقیق مشکل ہے۔

سنہ تصنیف وجہ تصنیف

رسالہ قشیریہ سنہ ۴۳۷ھ میں لکھا گیا لیکن اس کی شرح ٹھیک تین سو ستر (۳۷۰) برس کے بعد پہلی مرتبہ حضرت مخدوم نے سنہ ۸۰۷ھ میں لکھی۔ سن مذکور کا پتہ کتاب کے دیباچہ سے چلتا ہے جو حضرت کے ایک مرید نے خود ان کی فرمائش پر لکھا تھا اور ادب کے لحاظ

لہ اسمار الاسرار۔ سمر چہل و نہم (۴۹)

سے اپنا نام نہ بتایا بہرحال یہ کتاب بھی قیام گلبرگہ کے زمانہ کی تصنیف ہے۔

امام ابوالقاسم قشیری کو کتاب لکھنے کی ضرورت جیساکہ انہوں نے اپنے دیباچہ میں کہا ہے اس لئے پیش آئی کہ ان کے زمانہ میں ایسے اولیاء اور اکابر طریقت جن کے فیض سے لوگوں کے قلب زندہ رہتے باقی نہیں رہے تھے نیز ایسے لوگ جو سنت نبوی کی پیروی کرتے ہوں اور صحیح معنوں میں صوفی کہلانے کے مستحق ہوں دنیا میں خال خال رہ گئے تھے۔ ان کی جگہ مکاروں نے صوفیوں کا سا لباس پہنکر خود کو صوفی مشہور کردیا تھا۔ جن کے دلوں میں اسلامی روح اور صحیح شریعت کی اتباع قطعی نہیں تھی باطنی فرقہ کو زور ہو گیا تھا۔ اور دنیا سے حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی تھی۔ ان حالات کی بنا پر امام مذکور کو خیال ہوا کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس سے حقیقی و غیر حقیقی صوفی کے پہچاننے میں مدد ملے۔ ٹھیک اسی طرح حضرت مخدوم کو بھی اس کتاب کی شرح لکھنے کا خیال پیدا ہوا چنانچہ فرماتے ہیں۔

"شیخ قدس اللہ روحہ از عزت ایں کار و عظمت ایں طائفہ در ایں حکایت .... اکنون عزیز من یکی اندیشہ کن کہ مرا با خود ہمیں اندیشہ است ..... مسکین محمد حسینی سلمہ اللہ تعالیٰ کہ امروز تاریخ ہجرت ہشت صد و ہفت شد نماند نشانی ازایں قوم۔ آں مردماں ہم نماند اکنون ایں بیچارہ چہ گوید اما در خیال خود بو ہمی و

"شیخ قدس اللہ روحہ احکام کی اور اس جماعت کی اہمیت اس بات میں ...... اب عزیز من ایک چیز پر غور کرو کہ خود مجھ کو بھی اس پر غور کرنا ہے ...... مسکین محمد حسینی سلمہ اللہ تعالیٰ کہ آج ۸۰۷ھ ہے اس قوم میں سے کوئی نشانی باقی نہیں رہی۔ وہ لوگ بھی نہ رہے اب یہ بیچارہ کیا کہے لیکن اپنے خیال میں وہم میں اللہ

گمانی چیزی کہ مرا در ایں کار محقق
است می نویسم خود برائی کہ می
نویسم اما چہ کنم ہمت حمیت برایں
می آرد آنچہ حقیقت کار است
برون می باید دادن بحتمل از جملہ
کوران یکی را خدا چشمی دہد۔ از
جملہ کران را گوشی بخشد"۔[۱]

گمان میں وہ چیزیں جو مجھے تحقیق
سے معلوم ایں تحریر کرتا ہوں لیکن
کس کے لئے تحریر کرتا ہوں لیکن
کیا کروں غیرت اس بات کی متقاضی
ہے جو حقیقت ہے وہ ظاہر ہو جائے
شاید جملہ اندھوں میں خدا وند تعالیٰ
کسی کو چشم بصیرت عطا فرمائے و
جملہ بہروں میں سے کسی کو سماعت
عطا فرمائے"۔

اہمیت کتاب

اب تک تصوف میں جتنی کتابیں لکھی گئیں ان میں سے چند ہی ایسی ہیں جو مستقل طور پر تصوف ہی سے متعلق ہوں ورنہ عموماً بزرگان دین نے جس خاص مسئلہ کو سمجھانے کی ضرورت سمجھی اس پر ایک آدھا رسالہ تصنیف کر دیا۔ تمام مسائل پر حاوی کتابیں چند ہی ہیں جن میں خود ایک "رسالہ قشیریہ" بھی ہے علاوہ ازیں "قوت القلوب" مصنفہ ابو طالب محمد بن عفی (المتوفی سنہ ۳۸۶ھ) کشف المحجوب مصنفہ شیخ علی بن عثمان ہجویری (المتوفی سنہ ۴۶۵ھ) مرصاد العباد مصنفہ شیخ نجم الدین دایہ اور کتاب اللمع مصنفہ شیخ ابو النصر سراج (المتوفی ۳۷۰ھ) بھی مشہور کتابیں ہیں۔ فارسی زبان میں اس قسم کا سرمایہ بالکل ہی کم ہے۔ "رسالہ قشیریہ" جو عربی میں لکھا گیا تھا اس کی شرح کو فارسی میں لکھ کر حضرت مخدوم نے فارسی ادب پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

---

[۱] شرح رسالہ قشیریہ صفحہ۔

مطالب کتاب

اصل کتاب رسالہ قشیریہ بہت ہی مختصر کتاب ہے لیکن اس کی شرح تقریباً (۶۷۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدائی صفحات اصول توحید و مسائل توحید پر مشتمل ہیں۔ جگہ جگہ متقدمین کے اقوال سے استناد کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت مخدوم توحید کے بارے میں فرماتے ہیں۔

" او تعالیٰ واحدیست یکی است نہ آنکہ از دو سہ عدد یکی او است چوں چنیں باشد ہمیں آید کہ لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احدٌ"

باب اول کا عنوان "فی ذکر مشائخ ہذا الطریقۃ و ما یدل من سیرہم و اقوالہم علی تعظیم الشریعت" ہے۔ اس کے تحت (۸۲) بزرگوں کا تذکرہ ہے جن میں سے ہر ایک اپنے زمانے کا تصوف میں جید صوفی گزرا ہے۔ مثلاً ابراہیم ادہم۔ فضیل عیاض۔ ذالنون مصری۔ معروف کرخی۔ بایزید بسطامی جنید بغدادی وغیرہم رحمتہم اللہ کتاب کا یہی طویل ترین باب ہے۔ آغاز کتاب میں تصوف کی تاریخ و وجہ تسمیہ صوفی کے بارے میں مختصراً بحث کی گئی ہے۔

باب دوم " فی تفسیر الفاظ یدور بین ہذا الطائفۃ و بیان ما یشکل منہا" کے عنوان سے موسوم ہے۔ اس باب میں مصطلحات تصوف مثلاً وقت۔ مقام حال قبض۔ تواجد وجد وجود۔ جمع و فرق۔ فنا و بقاء۔ غیب و حضور وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔

اس کے بعد احوال مقامات اور مسائل تصوف سے متعلق جتنے اہم عنوانات ہو سکتے ہیں سب کے متعلق الگ الگ باب باندھا گیا ہے۔ اور اس پر کلام الٰہی احادیث نبوی اور اقوال سلف کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ مثلاً باب التوبہ۔ باب المجاہدہ۔ باب الورع وغیرہ۔

شرح نہایت سلیس و واضح ہے۔ حضرت مخدوم نے اختصار کو بہت

ملحوظ رکھا ہے اور اس کی جا بجا تکرار بھی کی ہے مثلاً "بسیار گفتن رسم ما نیست" وغیرہ بقول مولوی صاحب حسین صاحب شرح نہایت محققانہ و مجتہدانہ ہے۔ اکثر مقامات پر حضرت نے امام ابوالقاسم سے اختلاف بھی کیا ہے لیکن ہر جگہ پر ادب کو ملحوظ رکھا ہے۔ مثلاً

"قوله ومن ذالك الفناء والبقاء - یکی از آں الفاظ فناءُ وبقاءُ ست چنیں گفتہ اند کہ چند لفظ است میاں ایں صوفیہ مصطلح و مرجع آں ہمہ بیک معنی میشود حضور وغیبت فنا و بقاء جمع وتفرقہ الفاظ مختلف است و معنی محمد عبداللہ حنیف حضور و غیبت گوید۔ خراز علیہ الرحمہ فناء وبقاء گوید و جنید رحمۃ اللہ جمع و تفرقہ گوید و تو در میاں ہامعان نظری کن اندک تفرقہ ہست میاں ایشاں اگر توانی دریافت تفرقہ باریکی ہست ..... ایں فناء و بقاء لغوی است مصطلح ایشان نیست در منتہا ئی کلام خود خواہند گفت ..... اما بعض مردم دیدہ ام خود را سالک گویند و گویند ما معنی می دانیم چوں از ایشاں آں پرسند ہمیں معنی فناء و بقاء گویند"[1]

ترجمہ آداب المریدین

جیسا خود کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس کا موضوع تصوف اور سلوک ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح مریدوں کو اپنی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ کتاب مذکور کو مولوی عطا حسین صاحب نے تصحیح و تحشیہ کے بعد انتظامی پریس حیدرآباد سے سنہ ۱۳۵۸ھ میں شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا صرف ایک قلمی نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ نسخہ مذکور حامل المتن اور غلطیوں سے پر ہے۔ جگہ جگہ کاتب نے الفاظ اور جملے چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے

---

[1] شرح رسالہ قشیریہ۔ باب الفناء و بقا صفحہ ۳۰

کتاب ناقابل فہم بن گئی ہے۔

سنہ کتاب و وجہ تصنیف

خود مصنف نے دیباچہ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ کتاب مذکور سنہ ۸۱۳ھ میں بزمانہ قیام گلبرگہ لکھی گئی ہے۔ مصنف نے سنہ تصنیف کے ساتھ وجہ تصنیف بھی بیان کی ہے۔ جو من وعن نقل کی جاتی ہے۔

"زمانہ آخر است تاریخ ہجرت ہشتصد و سیزدہ رسید اللہ اعلم سپس آں باشد ہم کسی قدمی در سلوک نہد و طلب خداوند سبحانہ در سرا و افتد و بہ اسباب وصول مباشرت شود۔ ایام فتنہ و محن است علامت قیامت خروج دجال طلوع آفتاب از مطلع مغرب باشد و غلق باب توبہ شود و ظہور دابۃ الارض پیدا گردد و نزول عیسی روی نماید اکنون طلب کہ سلوک کہ روندہ کہ اللہ اللہ کار بجائی است من کہ اقل و ارذل ایں طائفہ باشم مردم گویند کہ شاید ختم ایں کار بر ایں شخص شود .... ہاں وہاں گوش دار کہ من چند سخنی را ترجمہ میکنم بحیثل کسی از ایں نصیبہ گیرد" [۱]

"آخری زمانہ ہے ۸۱۳ھ کا زمانہ ہے۔ خدا جانتا ہے کہ شاید ہی اس کے بعد بھی کوئی شخص سلوک کا راستہ اختیار کرے اور خداوند تعالیٰ کی طلب کا سودا اس کے سر میں سمائے اور اسباب وصل پر کاربند رہے۔ زمانہ فتنہ وفساد کا ہے۔ قیامت کی نشانیاں۔ دجال کا خروج۔ مغرب سے آفتاب کا نکلنا اور توبہ کا دروازہ بند ہوجانا حشرات الارض کا ظہور ہو حضرت عیسیٰ ظاہر ہوں۔ اب کون طالب ہے۔ کون سالک ہے اور کون اس پر چلنے والا۔ اللہ اللہ نوبت یہ پہنچی ہے کہ میں کہ اس طائفہ کا حقیر و ارذل ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کام شاید اسی شخص پر ختم ہوجائیگا .... ہاں ہاں سنو کہ میں چند باتوں

کو ترجمہ کر رہا ہوں کہ شاید اس سے
کوئی بہرہ ور ہو۔"

اہمیت کتاب ترجمہ آداب المریدین کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے بہتر ہوگا کہ ہم خود آداب المریدین کی اہمیت کا اندازہ لگائیں۔ اصل کتاب حضرت شیخ الشیوخ ضیاء الدین ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی (المتوفی سنہ ۵۶۳ھ) کی لکھی ہوئی ہے۔ شیخ کی تمام تصانیف میں یہ کتاب بہت زیادہ مقبول ہوئی حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ بعدازیں شیخ محی الدین عربی نے اس نام کی ایک اور کتاب لکھی تھی۔ شیخ ضیاءالدین نے یہ کتاب اپنے مریدوں کے لئے لکھی تھی تاکہ مرید اپنے روزمرہ مشاغل اور دستور العمل کو معلوم کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کے باب میں یہ کتاب بہت اہم رکھتی ہے۔ چونکہ تصوف عشق الہٰی اور سنت نبوی پر مشتمل ہے اس لئے شیخ مذکور نے جو کچھ ہدائتیں لکھیں اس کو آیات قرآنی احادیث نبوی اور اقوال سلف سے ثابت بھی کیا ہے۔ جس کی وجہ سے کتاب کی اہمیت میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ حضرت مخدوم نے ایسی اہم کتاب کا سلیس فارسی میں ترجمہ کر کے اس کو عام فہم اور اہم بنا دیا ہے تاکہ ان کے تمام مریدین ان سے بہ احسن الوجوہ استفادہ کر سکیں۔

مطالب کی تشریح یہاں پر یہ بات بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے آداب المریدین کی جیسا کہ خود انہوں نے دیباچہ میں اظہار فرمایا ہے چار مرتبہ مریدوں کی خاطر شرح لکھی۔ حضرت جس کے لئے شرح لکھتے تھے وہ اسے تحفہ

حاشیہ ۹۳ ؎ ترجمہ آداب المریدین ص۳

سمجھ کر اپنے لئے وقف کر لیتا تھا۔ اس طرح تین شرحیں ناپید ہو گئیں آخر کار حضرت نے سنہ ۱۱۰۳ھ میں چوتھی مرتبہ شرح لکھی۔ تاکہ اس سے تمام لوگ تمتع حاصل کر سکیں۔ چونکہ لکھتے وقت ایجاز و اختصار کو پیش نظر رکھا گیا اور اکثر جگہ صرف ترجمہ پر ہی اکتفا کیا گیا اسی لئے اس کو بجائے شرح کے "ترجمہ آداب المریدین" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مطبوعہ کتاب بڑی تقطیع کے (۲۷۳) صفحات پر ہے۔ جو (۴۴) فصلوں پر مشتمل ہے مثلاً فصل اول "در بیان صفات حق تعالیٰ" یا فصل سوم "در بیاں آنکہ قرآن سخن خدا است وغیرہ" یہاں پر کتاب سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے تحریر کی سلاست اختصار اور ایجاز کا اندازہ ہو سکے۔

"قولہ واجمعوا علیٰ ان القرآن کلام اللہ۔ اجماع کردہ اند بر ایں کہ قرآن سخن خدا است۔ قولہ ان کلام اللہ غیر مخلوق و اجماع کردہ اند بر ایں کہ کلام اللہ غیر مخلوق یعنی صفتی از صفات اوست۔ قدیم است۔ محدث نیست۔ و دریں مسئلہ معتزلہ خلاف دارند۔ قولہ مکتوب فی مصاحفنا تتلو بالسنتنا محفوظ فی صدورنا۔ و کلام در مصحفہائی ما نوشتہ شدہ است و ہمیں است کلام کہ زبان ہائی ما میخوانند۔ و ہمیں است کلام اللہ کہ

"اس پر اجماع ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے غیر مخلوق اور اجماع کیا ہے اس پر کہ اللہ کا کلام غیر مخلوق یعنی یہ ایک صفت ہے اس کی بہت سی صفات میں سے قدیم ہے۔ محدث نہیں ہے۔ اور اس مسئلہ میں معتزلہ کا عقیدہ مخالف ہے ..... اور کلام جو ہمارے مصحف میں درج ہے وہ ہی کلام ہے کہ ہماری زبان سے ادا ہوتا ہے اور یہی کلام اللہ ہے جو کہ ہمارے سینے میں محفوظ ہے۔ یہاں ایک نکتہ ہے اس میں تجھے تحقیق کرنی چاہیئے اور اس کے

سینہاۓ مایاد دارد۔ اینجا سخن ہست
تراتحقیق باید کرد واز آن چارہ
نباشد برجہانیاں مشکل است
بدانکہ کلامی نفسی یعنی کلام کہ در
ذات باری تعالیٰ است۔ حرف
نیست ۔ صوت نیست ۔ ہجا نیست
ترکیب نیست۔ اول وآخر ومیانہ
نیست ۔ آں کلام را خواست خدائ
تعالیٰ جبریل را شنوانید تا او بہ
پیغمبر رساند وآن قابلیت نداشت
کہ بشنود حرفی وصوتی را آفرید
کہ تا آں حرف وصوت حکایت
از کلام نفس کند۔ آں کلام نفسی
را بریں حرف وصوت تعلق دادلے

سوائے چارہ نہیں ہے۔ دنیا والوں
کے لئے مشکل ہے جاننے کی کلامی
نفسی یعنی وہ کلام جو ذات باری
تعالیٰ میں ہے حرف نہیں ہے۔ ہجا
نہیں ہے۔ ترکیب نہیں ہے۔ اس
کا اول وآخر ومیانہ نہیں ہے۔ اس
کلام کو خداوند تعالیٰ نے چاہا کہ
جبریل کو سنوائے تاکہ وہ پیغمبر تک
پہنچائے اور وہ قابلیت نہیں رکھتا
تھا کہ اس کو سنے اس لئے حروف
وصوت کو پیدا کیا تاکہ وہ حروف
وصوت کلام نفسی کو بیان کرسکے
اور اس کلام نفسی کو اس حرف و
صوت کے ساتھ متعلق فرمایا۔

اسی طرح پوری کتاب میں زبان شستہ وصاف اور طرز بیاں نہایت دلکش وواضح ہے جہاں ضرورت ہے شرح کی ہے ورنہ صرف ترجمہ پر اکتفا فرمایا ہے۔

خاتمہ موضوع ۔ یہ کتاب اصل میں "ترجمہ آداب المریدین" کے سلسلہ کی ایک تصنیف ہے ۔ کئی چیزیں چھوٹ گئیں تھیں ان کو وضاحت کے ساتھ حضرت نے اس کتاب میں لکھ دیا ہے ۔ اسی لئے اس کو صرف "خاتمہ" یا "خاتمہ ترجمہ آداب المریدین" بھی کہتے ہیں "ترجمہ" کی طرح اس کا موضوع بھی تصوف وسلوک ہے ۔

لے ترجمہ آداب المریدین ۔ فصل سیوم صلالا

خاتمہ کو مولوی سید عطا حسین صاحب نے تصحیح و تحشیہ کے بعد برقی پریس حیدرآباد سے سنہ ۱۳۵۶ھ میں چھپوایا جو بڑی تقطیع کے (۲۳۶) صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے ساتھ مولانا مذکور نے حضرت کی سوانح و تصوف کی تاریخ کے متعلق مختصراً اشارہ بھی کیا ہے۔ ساتھ ہی ان واقعات کی تشریح بھی کردی ہے جن کے متعلق حضرت مخدوم نے صرف اشارہ کیا تھا۔ تصحیح میں تین قلمی نسخوں سے مدد لی ہے۔ جن میں سے ایک سنہ ۱۰۵۷ھ اور دوسرا سنہ ۱۱۰۰ھ کا کتابت کردہ ہے۔ ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں۔ (تحت نمبر ۸۳۶ تصوف فارسی موجود ہے)

شرح نہایت جلی و واضح ہے۔ کتاب کا سن تصنیف صریح طور کہیں بتایا نہیں گیا۔ البتہ دوران کتاب میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"و مرید را امروز کہ عمر دنیا بہ ہشت صد و ہفت سال رسید در لقمہ ایں احتیاط باید کرد کہ فاش آشکارا معلوم حق کسے نخورد۔"[1]	"اور مرید کو چاہیے کہ آج جبکہ عمر دنیا ۸۰۷ھ پر پہنچی اپنی غذا میں احتیار کرے کہ کسی شخص کے حق کو جو ظاہر و فاش ہے نہ کھائے۔"

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے اس کتاب کو سنہ ۸۰۷ھ میں لکھوایا ہو گا۔ کتاب "آداب المریدین" کے ترجمے کے بعد ضرورت دعتی کہ اس کا کوئی خاتمہ بھی لکھا جائے لیکن یہ کتاب بہت ہی مختصر تھی۔ حضرت مخدوم اپنے زمانے کے لوگوں کے رجحانات اور کمزوریوں سے بخوبی واقف تھے انہوں نے محسوس کیا کہ آداب المریدین کے موضوع پر ایک مبسوط اور مکمل کتاب کی ضرورت ہے جو زمانہ کے حالات کے اعتبار سے تمام جزئیات پر حاوی ہو۔ چنانچہ اسی بنا پر انہوں نے "خاتمہ" کی تصنیف کی۔

---

[1] خاتمہ صلاا فقرہ ۱۰۴

اہمیت کتاب

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ اب تک تمام بزرگان دین نے تصوف کے مسائل پر روشنی تو ڈالی تھی لیکن کسی نے سوائے سہروردیؒ کے ("آداب المریدین) اس جانب قلم نہ اٹھایا تھا کہ مرید کی حیثیت بتائی جائے اور اس کے مقام کی اہمیت کو واضح کیا جائے۔ مرید عموماً بزرگوں کے ملفوظات ہی سے استفادہ کرتے تھے لیکن خواجہ صاحب نے "خاتمہ" کی تصنیف کرکے مریدوں کے روزانہ مشاغل اور لائحہ عمل کو بالکل واضح اور روشن کر دیا اور بتا دیا کہ کس طرح ایک مرید کو اپنے چلنے پھرنے۔ اٹھنے۔ بیٹھنے۔ کھانے پینے وغیرہ میں احتیاط کرنی چاہیئے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب اہم اور اپنی مثال آپ ہے۔

مطالب کی تشریح

پوری کتاب (۳۴۴) فقروں پر مشتمل ہے ہر فقرہ میں مریدوں کے لئے دو تین ہدایتیں نکل آئی ہیں۔ ہر چیز کو پوری طرح مع جزئیات کے سمجھایا گیا ہے تاکہ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے۔ یہاں پر دو تین فقروں کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"والبتہ باخود رسمی کند کہ اور اخرچی باشد کہ برآں خرچ کسے مطلع نہ گردد و چنانکہ گفتہ اند صوفی را البتہ معاملتی باشد با خدا کہ برآں معاملہ جز خدا کسی مطلع نباشد و آنکہ در مجالس و محافل بذلے کند اورا باید ہم ازاں جنس بذلی دو سرہم باشد و اگر کسی جامعہ معین را التماس کند فالامر مفوض الی الرجل اللہ اعلم الی مصلحتہ یطر علیہ۔ اما مردم را نشاید از کسی خصوص از صوفی جامعہ معین طلبد کہ ایں جامہ باایں دستار باایں کلاہ مرا بدہ"[1]

یہ اخراجات صوفی کے بارے میں ہدایت تھی اسی طرح حضرت نے وضو

---

[1] خاتمہ صفحہ فقرہ ۷۹

کے آداب فرائض کی پابندی ۔ مراقبہ ۔ رموز وعبادات نکاح ۔ کھانے پینے کے آداب ۔ سماع کے آداب ۔ پیر و مرید کے تعلقات و آداب وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ہر ایک کے مقام کو معین کیا ہے ۔ عبارت سلیس ہے عبارت آرائی نام کو نہیں ۔ اس زمانہ کے محاورات اور روزمرہ کا استعمال بھی کرتے ہیں ۔ مثلاً "نشستن" کی بجائے "شستن" وغیرہ تفہیم کی خاطر ہندی الفاظ کا بھی بلا تکلف استعمال کرتے ہیں مثلاً "در سماع باید کسی را مزاحمتی نہ باید و چناں نرود کہ دھکہ بکس رود"[1] یا اس طرح "و در سماع باید سیر خورد نباشد و کذالک "پیاز و گنا" ان عبارتوں میں "دھکہ" "پیانہ" "گنا" یہ تمام الفاظ ہندی ہیں ان کو فارسی زبان سے کوئی تعلق نہیں ۔

مکتوبات بندہ نواز ۔ خطوط کا مجموعہ ہے جو حضرت نے وقتاً فوقتاً اپنے مریدوں کو لکھے خطوط شخصی و خانگی واقعات سے تعلق رکھتے ہیں ۔ لیکن چونکہ اس میں تصوف ۔ معرفت اور سلوک کے اکثر مسائل پائے جاتے ہیں ایسی صورت میں ان کو بھی تصوف کی ایک کڑی سمجھا جائے تو بیجا نہ ہوگا ۔

مکتوبات کا مطبوعہ نسخہ بھی مولوی عطا حسین صاحب کی کوششوں سے تصحیح و تحشیہ کے بعد عہد آفریں پریس حیدرآباد سنہ ۱۳۶۲ھ میں چھپا جو بڑی تقطیع کے (۱۵۷) صفحات پر مشتمل ہے ۔ حضرت کے خطوط کے علاوہ مخدوم زادہ بزرگ ۔ مخدوم زادہ خورد و قاضی سراج کے خطوط بھی شامل ہیں ساتھ ہی خلافت ناموں کو منسلک کر دیا گیا ہے ۔ مکتوبات کے دو قلمی نسخے موجود ہیں ۔ پہلا نسخہ آصفیہ کتب خانے میں (تحت ۱۶۳)

---

[1] خاتمہ نقرہ (۴۸) [2] خاتمہ فقرہ (۴۸)

تصوف فارسی) اور دوسرا کتب خانہ روضتین گلبرگہ میں موجود ہے۔ دونوں نسخے اسقام سے پر ہیں۔ جتنی تصحیح مرتب سے مقابلہ کر کے ہوسکی کی گئی۔ باقی اسقام ویسے ہی موجود ہیں۔

خطوط میں نہ کہیں تاریخ کا ذکر ملتا ہے اور نہ ہی کوئی سنہ درج کیا گیا ہے اس لئے کسی تاریخ کا تعین کرنا قرین قیاس نہیں۔ البتہ بعض خطوط جو معدودے چند ہیں ان کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعات کی بنا پر یہ فلاں تاریخ میں لکھے گئے ہیں۔ مثلاً حضرت کا ایک خط (مکتوب نمبر دہم) علاؤالدین گوالیری کے نام ہے جسمیں گوالیر آنے کے متعلق واقعات لکھے ہیں۔ چونکہ حضرت سنہ ۸۰۱ ھ میں دہلی سے گوالیر چلے ہیں اس لئے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ خط سنہ ۸۰۱ ھ میں تحریر ہوا ہوگا۔ البتہ جامع مکتوبات (یعنی ابوالفتح علاؤ الدین قریشی) نے ان خطوں کو جیسا کہ خود دیباچہ میں تحریر کیا ہے سنہ ۸۵۲ ھ میں ترتیب دیا ہے۔

عموماً انسان کی خارجی یعنی سوسائٹی کی زندگی اور داخلی یعنی خانگی زندگی ایک سی نہیں ہوتی۔ چونکہ دونوں میں تطابق نہیں اس لئے کسی کی تحریر یا تصنیف سے جو خارجی حیثیت رکھتی ہے نجی زندگی کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ البتہ بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کو وہ سب سے چھپا کر صرف خطوں کے ذریعہ اپنے خاص دوستوں کو بتا دیتا ہے۔ ساتھ ہی کاتب جانتا ہے کہ خط کو سوائے مکتوب الیہم کے کوئی اور نہیں پڑھے گا اس لئے وہ بلا کسی تکلف کے تمام واقعات کھول کھول کر بیان کرتا ہے ان خطوط سے بھی حضرت کے تمام واقعات پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے فرصت کے اوقات کس شغل میں گزارتے تھے چونکہ آپ ایک بڑے صوفی اور کشتہ عشق تھے اس لئے خطوط میں بھی وہی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔ تمام خطوط تصوف کے مسائل۔ بیعت کے طریقے۔ عشق الٰہی کی واردات سے بھرے

پڑے ہیں اور اسی لحاظ سے اس مجموعہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

پورا مجموعہ حضرت کے (۶۶) خطوط پر مشتمل ہے جن میں ایک (مکتوب ۳۹) سلطان فیروز شاہ بہمنی کے نام۔ دوسرا (مکتوب ۶۶) حضرت مسعود بک چشتی کے نام اور باقی تمام خلفا، برگزیدہ و مریدوں کے نام ان کے علاوہ حضرت مخدوم زادہ بزرگ کے سات حضرت مخدوم زادہ خورد کے چار اور قاضی سراج مرید حضرت کا ایک خط بھی ہے نیز تین خلافت نامے بھی شامل کئے گئے ہیں۔ جن میں ایک حضرت علاؤالدین گوالیری۔ دوسرا حضرت ابوالفتح اور تیسرا عام خلافت نامہ ہے جس کی نقل ہر خلیفہ کو دیجاتی تھی۔

خطوں کی زبان نہایت سلیس اور صاف ہے۔ تصنع اور تکلف نام کو نہیں تحریر جذبات سے پر ہے اور پڑھنے والے کو متاثر کرتی ہے۔ خطوں میں ہر ایک کو اس کی ہمت اور مرتبہ کے موافق مخاطب فرماتے ہیں۔ بحیثیت پیر مریدوں کو جا بجا نصیحتیں کرتے جاتے ہیں۔ بعض تصوف کے مسائل کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ حضرت نے سلطان وقت کو بھی خط لکھا لیکن کہیں خوشامد وغیرہ نہیں کی۔ فرماتے ہیں۔

" اللھم پادشاہ مارا وشاہزادگان مارا در حفظ و عصمت خود دار و مملکت و مکنت و دستگاہ پادشاہ را بقدر ہمت ووسعت دل را بخش آں بلند ہمت مارا ہر جا کہ خصمے و دشمنی اہست پست باد دارجو بل اتیقن کہ تقدیر ازلی موافق دعائے ما است۔ الحمد اللہ علی ذالک والسلام"[1]

بعض خطوط طویل ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں مسائل تصوف کو حل کیا ہے بعض بہت مختصر ہیں لیکن ان میں بھی ایک نہ ایک نکتہ نکل آتا ہے۔ مثلاً

---

[1] مکتوبات بندہ نواز

"فرزند دینی مولانا علم الدین دعائے محمد حسینی مطالعہ کند و بداند یارے دوست دربرو آں کہ روزگار قلب باز د بر درو آنکہ نہ در بر نہ بر در، ہر دم بہوائی خویش ابتر۔ ہیہات فہیہات ۔ بیت

نہ یک غسوین کہ ہر دم ہزار بار فسوس   نہ ایک دریغ کہ ہر دم ہزار بار دریغ

اگر ترا چیزی پیش می آید برمن بنویس و آنکہ نمی آید رد با شد کہ خویش خودی وخوش حسبی والسلام"[1]

جوامع الکلم چونکہ یہ کتاب حضرت مخدوم کے ملفوظات پر مشتمل ہے اس لئے اسکے موضوع کا تعین کرنا ایک مشکل امر ہے اس میں حضرت نے لوگوں کے سوالات کے جواب و نیز اپنے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ یہ کتاب بیک وقت عشق محبت الٰہی ۔ دنیاداری ۔ فقہ ۔ حدیث تفسیر ۔ تصوف وغیرہ سب مضامین کی حامل ہے ۔

حضرت مخدوم کے ملفوظات پر مشتمل چار کتابوں کا ذکر تاریخ حبیبی میں ملتا ہے ۔ صاحب تاریخ لکھتے ہیں ۔

"شانزدہم ۔ ملفوظ اول ہفدہم ملفوظ ثانی کہ ایں دو ملفوظ بندگی قدوۃ المشائخ مخدوم زادہ بزرگ جمع کردہ بودند"

"سیر محمدی" میں حضرت کی پیدائش کے متعلق بیان کرتے ہوئے محمد علی سامانی ایک اور مجموعہ کا ذکر کرتے ہیں ۔ و" نیز خدمت قاضی علم الدین بہروچی در ملفوظ حضرت مخدوم کہ خود جمع کردہ است"۔

تمام کتابیں دستیاب نہیں ہوتیں ۔ موجودہ مطبوعہ نسخہ مخدوم زادہ بزرگ کا جمع کردہ ہے ۔ نسخہ مذکور کو جناب محمد حامد صدیقی صاحب لکچرار دینیات گلبرگہ نے تصحیح کے بعد سنہ ۱۳۵۶ھ میں چھپوایا ہے نہ معلوم مرتب

نے کن نسخوں سے تصحیح کی لیکن ہم جہاں تک جانتے ہیں ۔ اس کے دو قلمی نسخے حیدرآباد میں موجود ہیں ۔ ایک جامعہ عثمانیہ لائبریری میں ہے اور دوسرا کتب خانہ آصفیہ میں ۔

مخدوم زادہ بزرگ نے تاریخ وار ملفوظات کو جمع کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے یہ کتاب دوشنبہ ۱۰ رجب سنہ ۸۰۲ھ تا پنجشنبہ ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۸۰۳ھ کے ملفوظات پر مشتمل ہے ۔ عموماً بزرگان دین کے ملفوظات کے جمع کرنے کا مقصد مریدوں کی تعلیم و تلقین ہوتا ہے ۔ اسی مقصد کے تحت مخدوم زادہ بزرگ سید اکبر حسینی نے ان کو جمع کیا تاکہ مریدوں کے دماغ روشن ہوں ۔ اور یہ مجموعہ ان کے لئے مشعل راہ بنے ۔ موصوف نے مرتب شدہ مجموعہ کو حضرت مخدوم کے سامنے پیش کر کے تصحیح بھی فرمالی تھی تاکہ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے چنانچہ اس کا ذکر ملفوظات میں اس طرح پر ہے :-

" و کمترین بندگان مولف جوامع الکلم عرضہ دارد کہ ملفوظ مذکور جزا بعد جزا الی تاریخ روز مذکور در مجلس تا بزدہم جز مطالعہ بندگی مخدوم بتصحیح لفظ بعد لفظ کلمۃ بعد کلمۃ حرفاً بعد حرفاً از جہت معنی و لفظ و ترکیب و ترتیب و سیاق مشرف گشتہ ..... فرمودند (حضرت مخدوم) کہ کار ایں ملفوظ از جہت تحقیق و تدقین بجائی است کہ گویا کہ من خود می نویسم و ملفوظ خود را من گرد می آرم و جمع میکنم " [1]

چونکہ تمام ملفوظات حضرت کی نظر سے گزرے اس لئے مجموعہ کو حضرت کی دوسری کتابوں کی طرح اہمیت حاصل ہے ۔ اس مجموعہ کی اہمیت کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس میں حضرت کے بعض واقعات کا ذکر ضمناً آگیا ہے ان واقعات کا دوسرے تذکرہ نویسوں کے واقعات سے مقابلہ کرنے کے بعد تمام شکوک

---

[1] جوامع الکلم ص۲۷۰ تحت ملفوظات ۲۹ ذی قعدہ سنہ ۸۰۲ ہجری

رفع ہو جاتے ہیں۔ مخدوم زادہ بزرگ نے تاریخ وار حضرت کی چند غزلوں کو بھی جمع کر لیا ہے۔ جس سے شاعری میں حضرت کے ذہنی ارتقاء کے بارے میں عمدہ معلومات حاصل ہوتے ہیں۔

کتاب کی خصوصیات

گفتگو اور تحریر کی زبان میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے تحریر میں اس بات کا ڈر رہتا ہے کہ لوگ انگشت نمائی کریں گے۔ اس لئے انسان سوچ سمجھ کر لکھتا ہے۔ لیکن گفتگو میں اتنا خیال نہیں رکھتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جو کچھ وہ کہیگا بہت جلد ہوا میں منتشر ہو جائیگا۔ لیکن حضرت کے ملفوظات دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اور حضرت کے دوسری تصنیفوں میں کسی قسم کا فرق نہیں۔ وہی سادگی وہی سلاست اور سلجھاؤ موجود ہے اس لئے ملفوظات بذات خود مستقل تصنیف بن گئے ہیں۔

جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا یہ دو سال کے ملفوظات ہیں جن میں ہر قسم کے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اور بقول مخدوم زادہ بزرگ " این کلمات مختصر و الفاظ موجز متضمن معنی بسیار و اسرار بے شمار است " ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معلومات کا ایک سمندر ہے جو کوزہ میں بند ہے۔ مثال کے طور پر ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جن سے تمام خوبیوں کا اظہار ہو سکے۔

" روز پنجشنبہ بستم ماہ مذکور وقت چاشت آیندہ پابوس آمد عرضہ داشت کرد کہ دیدن روی شما بر مبارک است فرمودند این بر حسب اعتقاد شما ہست۔ راد باشد کہ یکی شخص خیر بود و یکی از او توقع شری کند۔ لابد او را ہمان شر پیش آید و یکی شخص شر بود دیگی از و اعتقاد خیر کند۔ ہمان خیر پیش آید روی مبارک رسول اللہ راچون ابوبکر دیدی ہمہ انتظار خیر و برکت کردی و مبشر شدی کہ لامحالہ در پیش امید خیری عظیمی نفعی بس

بزرگ است و ابوجہل ملعون مخذول صباحی کہ روی مبارک رسول اللہ دیدی فال بد گرفتی و با خود گمان تا کندم نہ عظیم نہ زیانی بزرگ در پیش است کہ روی محمد دیدہ شد"[۱]

اسی طرح لوگ ہر صبح آتے اور حضرت سے قدمبوسی حاصل کرنیکے بعد واپسی میں معلومات کا ذخیرہ اپنے ساتھ لے جاتے مختلف مسائل کے متعلق حضرت سے دریافت کرتے اور آپ حتی الامکان ان کے تمام شکوک عقلی و نقلی دلائل سے رفع کرتے۔ تفہیم کی خاطر مسئلوں کی بحث میں قصوں اور بعض اپنے تجربات کو بھی بیان فرماتے۔

مجموعہ یازدہ رسائل

یہ مجموعہ حقیقت میں حضرت کے دس رسالوں پر مشتمل ہے ان کا ذکر صاحب "سیر محمدی" و تاریخ حبیبی نے بطور مستقل تصانیف کے کیا ہے۔ حالانکہ ان میں بعض ایسے رسالے بھی ہیں جو صرف دو تین صفحات کی ضخامت رکھتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت مخدوم نے کسی خاص مسئلہ کو سمجھانے کی خاطر ان مختصر رسالوں کی تصنیف کی ہے بہتر ہوتا کہ ان کو ملفوظات میں جگہ دیجائے۔ تمام رسائل بیک وقت تصنیف نہیں ہوئے بلکہ وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ان کو لکھوایا گیا ہے۔ تمام رسالوں کو مولوی سید عطا حسین صاحب نے طباعت کی سہولت کے مدنظر ایک جگہ چھاپ دیا ہے ہم بھی یہاں پر اس مجموعہ کو ایک تصنیف فرض کر کے ان پر تبصرہ کریں گے۔

مجموعہ مندرجہ ذیل رسائل پر مبنی ہے۔

(۱) تفسیر سورۂ فاتحہ (۲) استقامت الشرلیعۃ لطریقۃ الحقیقۃ (۳) رسالہ در مسئلہ رویت باری تعالیٰ و کرامات الاولیاء (۴) حدائق الانس

---

[۱] جوامع الکلم ص۲۵۶ تحت ملفوظات ۲۰ ذی قعدہ سنہ ۸۰۲ھ

(۵) وجود العاشقین (۶) رسالہ منظوم دراذکار (۷) رسالہ مراقبہ (۸) رسالہ اذکار چشتیہ (۹) شرح بیت امیر خسرو (۱۰) برہان العاشقین ۔

مجموعہ میں مرتب نے غلطی سے حضرت حسین بلخی کے ایک رسالہ "رسالہ توحید خواص" کو بھی شریک کر لیا ہے لیکن چھپنے کے بعد اس پر ایک فٹ نوٹ لکھ کر اس بات کی تصحیح کر لی ہے ۔ علاوہ رسائل کے حضرت کے مشہور اور مختصر رسالہ "برہان العاشقین" کی مختلف لوگوں کی لکھی ہوئی سات شرحوں کو بھی شامل مجموعہ کیا ہے جس سے رسالہ مذکور کے سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے ۔ مجموعہ سے چند رسالوں کا انتخاب کر کے فرداً فرداً ان پر تبصرہ کیا جاتا ہے ۔

(الف) تفسیر سورۂ فاتحہ ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ جیسا کہ فاضل مرتب نے اس بات کا ذکر کیا ہے : مرزا قاسم علی بیگ صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے جو نہایت خوشخط اور سنہ ۱۰۶۴ھ کا لکھا ہوا ہے ۔

تفسیر ۔ بغیر کسی دیباچہ یا مقدمے کہ شروع ہوئی ہے ۔ عموماً حضرت ابتداً وجہ تصنیف وغیرہ بیان کر کے رسالوں کو شروع کرتے ہیں ۔ لیکن یہاں یہ بات نہیں ۔ ممکن ہے کہ یہ تفسیر کسی مستقل تصنیف کا جزو ہو ۔ تذکرہ نویس اور خود حضرت نے اپنی ایک کتاب "ملتقط تفسیر قرآن" کا ذکر کیا ہے ۔ تفسیر مذکور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے چند منتخبہ سورتوں کی تفسیر ہوگی کوئی عجب نہیں کہ یہ تفسیر اسی کا جزو ہو ۔ اگر "ملتقط" کا کوئی قلمی نسخہ مل جاتا تو اس بات کی تصدیق ہو جاتی ۔ اگر یہ چیز صحیح ہو تو چونکہ "ملتقط تفسیر قرآن" بزمانہ قیام دہلی لکھی گئی اور تلقین و ہدایت کا زمانہ سنہ ۱۰۵۷ھ تا ۱۰۸۰ھ ہے اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ تفسیر مذکورہ دو سنین کے مابین اختتام کو پہنچی ہوگی ۔

پوری تفسیر بمشکل بڑی تقطیع کے اڑسٹھ صفحات پر مشتمل ہے زبان نہایت سلیس و رواں ہے تفسیر تصوف کے رنگ میں بہت ہی اختصار اور

سلجھاؤ کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ مثلاً کلمہ "الحمد اللہ" کی تفسیر یوں فرماتے ہیں۔

"الحمدا ۔ جمیع ثنا و ستائش کہ از ازل تا ابد ہمہ موجودات و جملہ کائینات منسوب شدہ و میشود و خواہد شد للہ ۔ مر ذاتے را است کہ مستجمع جمیع صفات و مسمی است بجمیع اسماء زیرا کہ ہمہ موجودات چوں مظاہر اسمائی الہٰی باشند۔ پس ہر ثنائی کہ بہ اینہا نسبت باید ہمہ آں بحقیقت بغیر تاویل مر خدائی را باشد کہ غیر او در وجود نیست و سوائے او در نمود نہ"[1]

تفسیر میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ حضرت جو کچھ فرماتے ہیں اس کو ثابت کرنے کے لئے دوسری قرآنی آیات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ "الرحمٰن" کی تفسیر یوں بیان فرماتے ہیں۔

"الرحمٰن : بخشندہ وجود بار دیگر بہ تجلی شہودی ملکوتی کہ متضمن بقا باللہ است بعد از فنائے وجود متوہم چنانچہ حضرت حق سبحانہ ہذا ایں تجلی خبر دار۔ بقولہ الکریم وکذالک نری ابراہیم ملکوت السموٰت والارض ولیکون من الموقنین"[1]

رسالہ در مسئلہ رویت باری تعالیٰ

فاضل مرتب نے اس رسالہ کی تصحیح کتب خانہ آصفیہ و کتب خانہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے قلمی نسخوں سے کی ہے۔

حضرت مخدوم نے اس رسالہ کو بھی بغیر کسی تمہید کے شروع کر دیا ہے۔ اس امر کی تحقیق مشکل ہے کہ آیا حضرت نے اس کو اسی طرح لکھا یا یہ بھی کسی دوسری کتاب کا جزو ہے۔ البتہ رسالے کے پڑھنے سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مطالب کے اعتبار سے یہ رسالہ اپنی جگہ مکمل ہے۔

---

[1] تفسیر سورۂ فاتحہ

حضرت اس رسالہ میں چند مسائل سے بحث کی ہے۔ پہلا مسئلہ رویت باری تعالیٰ کا ہے۔ سوائے اہل سنت و الجماعت کے تمام فرقے دیدار الٰہی کے منکر ہیں۔ منکرین کا خیال ہے کہ دیدار الٰہی نہ صرف دنیا میں بلکہ عقبیٰ میں بھی ناممکن ہے کیونکہ انسان ناقص ہے۔ یہ تاب نہیں۔ حضرت مخدوم حضرت عبدالقادر جیلانی کی طرح اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ دیدار الٰہی دنیا و عقبیٰ دونوں میں ممکن ہے۔ اہل سنت میں امام اعظم، امام ابویوسف و امام محمد آخرت میں دیدار الٰہی کو ممکن سمجھتے ہیں حضرت نے عقلی و نقلی دونوں دلائل سے دنیا میں بھی دیدار الٰہی کو ثابت کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"محمد یوسف الحسینی میگوید آفتاب را کہ تو می بینی چشم توفیض از نور آفتاب میگرد۔ و بدآن فیض چشم تو آفتاب را می بیند کذالک بندہ را اگر خدا تعالیٰ بزور رحمت خاص کند فیض از نور قدسی وصبوحی باید۔ از ایں چشم بدیں نور او را ببیند۔ پس ایں چشم ندید او را نور او دید۔ پس ایں سخن راست آید۔ لایری اللہ غیر اللہ"[1]

دوسرا مسئلہ انبیاء کرام کی ملائکہ مقرب پر فضیلت کے بارے میں ہے۔ معتزلہ اور مولانا فخرالدین رازی کے نزدیک ملائکہ افضل ہیں لیکن اہل سنت والجماعت کے پاس انبیاء کو افضلیت کا درجہ اصل ہے اور اسی پر حضرت مخدوم کا بھی اتفاق ہے۔

تیسرا مسئلہ کرامات اولیاء کے بارے میں ہے۔ پہلے حضرت مخدوم نے کرامت کی تعریف اس طرح فرمائی ہے۔

کرامات عبارت از خارق عادت مستمرہ است نہ اثبات محال مثلاً عادت مستمرہ اینست میوہ تابستان ہم در تابستان باید و

---

[1] رسالہ در مسئلہ رویت باری تعالیٰ صفحہ

میوہ زمستان در زمستان و خارق عادت ایں است کہ میوہ زمستان در تابستان و میوہ تابستان در زمستان و دیگر آب بطبیعت مغرق است خصوص شئ ثقیل را۔ کرامت ایں است کہ بحسب خارق عادت یکی پائی بر آب نہد چنانکہ یکی بر خشکی و یا بر زمین خشکی پائی نہد و بگذرد"[1]

فرقہ معتزلہ کرامات اولیاء کے خلاف ہیں۔ ان کے متعلق حضرت مخدوم فرماتے ہیں۔

"معتزلہ خذلہم اللہ تعالیٰ منکر کرامات اولیاء اند معلوم می شود کہ ہیچ کس میاں ایشان ولی بنود و نخواہد بود"[2]

ساتھ ہی بہت لطیف پیرایہ میں جبر و قدر کے مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے اور معتزلہ کے ان سوالوں کا جواب دیا ہے جس میں وہ انسان کو مجبور محض سمجھتے ہیں۔

بہر حال پورا رسالہ بڑی تقطیع کے (۱۶) صفحات پر مشتمل ہے جس میں مندرجہ بالا مسائل کی وضاحت کے ساتھ تشریح کی گئی ہے۔ زبان نہایت سلیس اور سادہ ہے۔ جس طریقہ سے توضیحات کی گئی ہے وہ حضرت ہی کا حصہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بھی ان کی ایک کرامت ہے۔

حدائق الانس

فاضل مرتب نے اس رسالہ کی تصحیح میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کتب خانہ آصفیہ کے قلمی نسخوں سے مدد لی ہے۔ رسالہ مذکور دس حدیقوں پر مشتمل ہے۔ جن کو حضرت کے ایک مرید نے آپ کی رحلت کے بعد ایک دیباچہ کا اضافہ کر کے ترتیب دیا تھا مرید نے اپنا نام ادب کے لحاظ کرتے ہوئے کہیں ظاہر نہیں کیا۔

یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ کس سنہ میں تصنیف ہوا کیونکہ کوئی سنہ درج کتاب

---

[1] رسالہ در مسئلہ رویت باری تعالیٰ صث

[2] رسالہ در مسئلہ رویت باری تعالیٰ صث

نہیں ہے۔ البتہ "تاریخ حبیبی" کی تصریح سے اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ رسالہ گلبرگہ کے قیام یعنی سنہ ۸۰۳ھ تا سنہ ۸۲۵ھ کی تصنیف ہے۔ اس کے لکھنے کا مقصد جیسا کہ خود کتاب سے واضح ہے مریدوں کی تلقین و تعلیم تھی۔

پورا رسالہ بڑی تقطیع کے (۲۰) صفحات پر مشتمل ہے جس میں مندرجہ ذیل دس حدیقوں پر بحث کی گئی ہے۔

(۱) حدیقہ اول النہایت الرجوع الی البدایت (۲) حدیقہ دوم دربیان ارتباط اعضار بادل ومتاثر شدن وی اعمال جوارح (۳) حدیقہ سوم درتجلی حق تعالیٰ برعامہ مخلوقات و دوری و نامقدوری ایشان (۴) دربیان شریعت وطریقت وحقیقت وحق الحقیقت وحقیقت الحق (۵) دربیاں مجاز کہ عالم مجاز و عالم حقیقت چہ معنی دارد (۶) دربیان متخلق شدن باخلاق خداو متصف بصفات او تعالیٰ و تقدس (۷) درنصیب کردن حق منصب شیوخت بیکے وبیان وزن و اعمال وچیزی از تمثلات (۸) دربیاں معنی نماز بجماعت ودربیاں اسرار ارکان صلوٰۃ (۹) دربیاں مراتب دل و اطوار وچیزی ازعدم خلقت قرآن (۱۰) حدیقہ دہم (۱۱) حدیقہ یازدہم۔

تمام حدیقوں پر مفصلاً بحث کرنا طوالت کا باعث ہوگا اس لئے صرف خاص چیزوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ان حدیقوں میں حضرت نے عجیب وغریب نکتے بیان کئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

"بدانی کہ مرد عارف وسالک و ہالک را ہرچہ الذے واشہی بود تجلی او در آں الذی واشہی وابہی بود چہ دائم تو چہ فہم کنی آئی دانی"[1]

"خواجہ من قدس سرہٗ گفتہ است کہ ہر کہ میاں ہشتاد سال یک نماز

---

[1] حدیقہ اول (حدائق الانس)

فرضیہ بغیر جماعت گزارد۔ صوفیان اورا جمعیت و چرکین گزارند۔[1]

"اما محبت اللہ سبحانہ بصفتہ ازلی وابدی است۔ او ازلی و

ابدی دوستی او کذلک۔ پس مرد حکیم سلیم ہمہ را پشت دادہ

لمدی بمحبت آرد"۔[2]

نماز با جماعت ادا کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"وبحقیقت نماز با جماعت ایں باشد کہ انسان قلبی دارد و قالبی

دارد روحی دارد و سری دارد و خفی دارد ہر پنج بیک خانہ قرار

گیرد و ہر یکی با دیگری صورت اتحاد بیند۔۔۔۔۔ ای عزیز نماز

با جماعت بجز معرفت و شناخت رب العزت جز دین نباشد"۔[3]

وجود العاشقین

یہ رسالہ بھی حضرت مخدوم کی مختصر سی تصنیف ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ رسالہ ان کی ایک مستقل تصنیف "خطائر القدس" کا خلاصہ ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس کے بہت سے قلمی نسخے ملتے ہیں۔ جتنے نسخے ہیں اتنی ہی غلطیاں اور سقام پیدا ہوگئے ہیں۔ تاہم مولوی سید عطا حسین صاحب کی کوشش سے یہ رسالہ بھی چھپ چکا ہے۔

حضرت نے اس رسالہ کو کس زمانے میں تصنیف کیا اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا البتہ لفظوں کی بندش خیالات کی پختگی زبان کی صفائی اور عشق الٰہی کا ہجوم اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ضرور یہ حضرت کے آخری زمانے کی تصنیف ہوگی۔ رسالہ کی تصنیف کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"بعد سپاس حق دارد و برحق سخنی چند از عشق بے پایاں خاک

---

[1] حدائق الانس (حدیقہ نہم)

[2] حدائق الانس (حدیقہ نہم)

[3] حدائق الانس (حدیقہ یازدہم)

وبقوت جاں پاک بعنایت ہواللہ و بہ اشارت حسبی اللہ
در قلم آوردہ می شود تا محبان را محبت بیافزاید۔ و دوستاں
را دوستی را نماید و ایں خاک را نیز بدعائے خیر یاد باید۔"[1]

اس رسالہ میں حضرت مخدوم نے عشق الہٰی کی حقیقت اور اہمیت پر زور دیا ہے۔ نیز اس بات کو واضح فرمایا ہے کہ عشق سے انسان کا کیا تعلق ہے۔ تمام چیزوں کے بتانے کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں سوائے عشق کے دوسری چیزوں کا حصول فضول اور لا یعنی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

" بدآنکہ ای عزیز درایں جہاں ہمیں سہ چیز است۔ ورائی ایں ہمہ ایں ہمہ ناچیز یعنی عشق و عاشق و معشوق ...

جہاں عشق است دیگر زرق سازی ہمہ بازی است الا عشق بازی

عشق کو ایک تخم کے مانند بتاتے ہیں جس سے ایک درخت پیدا ہوتا ہے اور اس درخت میں

" بدآنکہ ای عزیز ایں درخت را گلہا است یعنی طاعت و زہد و تلاوت و قناعت و سخاوت و ایں پنج را در معنی طریقت گویند و درایں گلہا میوہا است یعنی شفقت و محبت و رحمت و برکت و ہمت۔ و ایں پنج در معنی عشق یکی باشد او را معرفت گویند و در میوہ تخم است کہ آں را وحدت گویند زیرا کہ ہو تخم اول است کہ آں را عشق خوانند"[2]

عشق کے تمام مراتب سمجھانے کے بعد فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ اس کو حاصل کرے اور خود کو معشوق حقیقی میں ضم کر دے۔ حقیقت میں یہ اس کی فنا نہیں بلکہ بقا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

---

[1] رسالہ وجود العاشقین ص۲ [2] رسالہ وجود العاشقین ص۱۱

"اکنون با ہوش بشنو و دریاب کہ نہال ایں درست در فنا است کہ آنرا بقا گویند و وجہ اللہ خوانند و ذات اللہ نامند کما قال اللہ تعالی کل من علیہا فان ویبقی وجہ ذوالجلال و الاکرام ۔ و ایں فنا بمعنی بقا است و ایں درخت درون و برون گرفتہ و ظاہر و باطن پیوستہ بلکہ عین درخت شدہ و یکی گشتہ و دو نماند"[1]

بہر حال پورا رسالہ سراسر عشق الٰہی تعلیم اور عشق ہی عشق ہے۔

رسالہ در مراقبہ

یہ مختصر سا رسالہ بھی حضرت مخدوم کا تصنیف کردہ ہے۔ جو بزمانہ قیام گلبرگہ لکھا گیا۔ رسالہ میں کل چھتیس ۳۶ مراقبے ہیں۔ جو علاوہ طریقہ چشتیہ کے دوسرے طریقوں مثلاً قادریہ وسہروردیہ میں بھی رائج ہیں۔

حضرت نے پہلے مراقبے کی تعریف مختصراً کی بعد ازاں وجہ تسمیہ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

"و مراقبہ در لغت بر گردن شتر سوار شدہ سوئی دوست رفتن است و در اصطلاح سلوک گردن نہادن بحضور دوست و دوست را در چشم داشتن ۔ و انواع مراقبہ بسیار است و در ایں کتاب بر سبیل اختصار سی و شش مراقبہ ذکر کردہ شدہ تا طالب زود بمقصود رسد ۔ و ایں کتاب را مراقبہ خوانند"[2]

یہاں پر ایک دو مراقبوں کا اقتباس دیا جاتا ہے تاکہ قارئین کرام کو روشناس کیا جا سکے ۔

"مراقبہ ہفتم را مراقبہ صفات خوانند ۔ یعنی دائم مشغول بہ بزرگی او

---

[1] رسالہ وجود العاشقین صٹ

[2] رسالہ مراقبہ صٹ

مستغرق شود کہ آنحضرت کریم است ہر چیزی زا نعمت میرساند چنانکہ قولہ تعالی وسعت کل شی رحمۃً وعلماً ۔ یعنی میتواند ہر شئے برحمت وعلم او توانست برحمت و علم آنست کہ شب وروز در دانستگی و خیال در اوصاف اللہ باشد "

رسالہ اذکار چشتیہ یہ رسالہ حقیقت میں حضرت مخدوم کی تصنیف نہیں بلکہ ان کے ایک مرید نے جنہوں نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا ان اذکار کو جن کی تعلیم خود حضرت دیتے تھے جمع کرکے رسالے کی صورت دیدی ۔ متعدد مقامات پر " بندگی میاں بڑہ فرمایند" بھی آیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مرید مذکور نہ صرف حضرت مخدوم کے بلکہ مخدوم زادہ بزرگ کے بھی فیض یافتہ تھے ۔ مثال کے طور پر ایک ذکر کے طریقہ کا اقتباس دیا جاتا ہے ۔

> " و لبعض اذان اذکار ذکر فہم کردن تجلیات از جمالیت و طریق آنست کہ وقتیکہ بنید چیزی را تفکر کند در و بگوید یارب فہم لی یا ہو ۔ پس رجوع کند سوئی فکر و فہم آں چیز ۔ نصیب گرداند اللہ تعالیٰ فہم ادرا بہ فضل خویش "[1]

رسالہ شرح بیت امیر خسرو حضرت امیر خسروؒ (المتوفی سنہ ۷۲۵ھ) کی ذات کسی تعریف و توصیف کی محتاج نہیں ۔ بہت بڑے شاعر اور موسیقی داں تھے اسی وجہ سے لوگ انہیں بلبل ہند کہتے تھے ۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ (المتوفی سنہ ۷۲۵ھ) کے مرید تھے ۔ امیر خسرو نے ایک قصیدہ حکیم افضل الدین خاقانی کے پہلے قصیدہ کے جواب میں کہہ کر دیوان " غرۃ الکمال " میں شریک کیا ۔

---

[1] اذکار چشتیہ ص۱۱

خاقانی کے قصیدہ کا پہلا شعر یہ ہے

دل من پیر تعلیم است و من طفل زبان دانش
دم تسلیم سر عشر و سر زانو دبستانش

خسرو نے اسی طرز پر قصیدہ لکھا جس کا مطلع ہے۔

دلم طفل است و پیر عشق استاد زباندانش
سواد الوجہہ سبق و مسکنت کنج دبستانش

اسی قصیدہ میں ایک معرکتہ الآرا شعر یہ ہے۔

ز دریائی شہادت چوں نہنگ لا برآرد ہو
تیمم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

مذکورہ بالا شعر بہت ہی غامض اور رموز اسرار کا گنجینہ ہے۔ بہت سے صوفیا و کرام نے اس کی شرحیں لکھیں۔ مثلاً جونپور کے بادشاہ سلطان ابراہیم شرقی کی فرمائش پر حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی نے اور ایک امیر کی فرمائش پر مولانا جامیؒ نے مبسوط شرح لکھی۔ لیکن سب سے جامع اور مبسوط شرح لکھنے کا خیال پہلے حضرت مخدوم کو ہوا۔ اور انہوں نے اس ایک شعر کی بڑی تقطیع کے (۲۰) صفحات پر مشتمل شرح لکھی انہوں نے بتایا کہ "دریائی شہادت" سے مراد عالم ظاہر ہے۔ جس کو ملک ناسوت کہتے ہیں۔ "نوح" سے مراد سالک ہے۔ "نہنگ" سے مراد اسرار لا ہوتی ہیں۔" طوفان" سے مراد تلاطم امواج نور سبوحی و قدوسی ہے۔

اسی طرح تمام چیزوں کو سمجھا کر پورے شعر کی تشریح تصوف کے رنگ میں کی ہے۔ متعدد مقامات پر قرآنی آیات اور احادیث سے استناد کیا ہے۔ مثال کے طور پر ہندی اشعار کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ

ہیرت ہیرت ای سکھی ہوں ہی گی ہیرائے
بوند جو پڑی سمند میں سو کیوں ہیری جائے

۱۔ رسالہ حیات امیر خسرو صفحہ

بہرحال رسالہ بہت ہی واضح اور پڑھنے کے لائق ہے۔

رسالہ برہان العاشقین

یہ ایک ڈیڑھ صفحہ کا بہت ہی مختصر مضمون ہے۔ جو "قصہ چہار برادر" یا "شکار نامہ" سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اس رسالہ میں حضرت مخدوم نے انسان کے ابتدائے آفرینش سے انتہا یعنی موت تک کا خاکہ بہت ہی مختصر اور لطیف پیرایہ میں کھینچا ہے۔ مضمون کی شکل ایک معمّہ کی سی ہے۔ جس کا حل کرنا صرف منتہی تصوف کا ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ یہ طریقہ بہت مقبول ہوا۔ اور کئی لوگوں نے اس رسالے کی شرحیں لکھیں۔ مولوی عطا حسین صاحب نے جو اس مجموعہ کے مرتب ہیں۔ سات شرحوں کو بھی اس رسالہ میں شامل کر لیا ہے۔ تاکہ دیکھنے والے اس رسالہ کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ شارحوں میں میر عبدالواحد بلگرامی۔ حضرت سید محمد کالپوی اور مولانا محمد رفیع الدین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ لطف بیان۔ اختصار اور چیستاں گوئی حضرت ہی کا حصہ ہے۔ ابتدائی حصہ رسالہ سے نقل کیا جاتا ہے۔

"بدآنکہ ما چہار برادر بودیم۔ از نہ دھیہ۔ سہ جامہ نداشتند دیگی برہنہ بود۔ آں برادر برہنہ درستی کا زر در آستین داشت بہ بازار رفتیم تا بجہت شکار تیر و کمان بخریم۔ قضا رسید ہر چہار کشتہ شدیم۔ لبست و چہار زندہ برخاستیم آنگاہ چہار کمان دیدیم سہ شکستہ و ناقص بودند یکی دو خانہ و دو گوشہ نداشت آں برادر زردار برہنہ آں کمان بیخانہ و بیگوشہ خرید۔ تیری می بالیست۔ چہار تیر دیدیم سہ شکستہ بودند و یکی پر و پیکان نداشت آں تیر بے پر و پیکاں را بخریدیم و بطلب صید بصحرا شدیم [1]

---

[1] رسالہ برہان العاشقین صـ۱

اسی طرح چار ہرن ملتے ہیں جن میں تین مردہ ہوتے ہیں اور ایک زندہ۔ اس کا شکار کیا جاتا ہے۔ اس کو پکا کر کھاتے ہیں۔ اور

"چندان خوردند کہ آماش شدند۔ پنداشتند کہ فربہ شدند۔ بدر خانہ نتوانستند رفت و در نجاست خود ماندند و ما بہ آسانی ازکید آن خانہ بیرون شدیم و بر در خانہ بخفتیم و بسفر روان شدیم۔ واولو الالباب تصرف ایں حالات را باز نمایند۔"

پر یہ رسالہ ختم ہوتا ہے شارحوں نے لکھا ہے کہ چار بھائی سے مراد چہار روح ہیں۔ روح جمادی۔ نباتی۔ حیوانی۔ اور انسانی۔ نہ دیہہ سے مراد نو افلاک ہیں۔ برادر برہنہ سے مراد روح انسانی ہے۔ ان میں روح نباتی۔ حیوانی اور جمادی فضول ہیں اس لئے ان کو تین شکستہ کمان سے تشبیہہ دی۔ البتہ روح انسانی میں معرفت الٰہی کی صلاحیت ہے۔ اس لئے اس کو اچھی کمان سے تشبیہہ دی۔ چار ہرنوں سے مراد عالم ناسوت۔ ملکوت۔ جبروت و لاہوت ہیں۔ تمام فنا ہونے والے ہیں۔ بقا صرف عالم لاہوت کو ہے اس لئے اس کو زندہ ہرن سے تشبیہہ دی۔ آخیر میں "بسفر رواں شدیم" سے مراد "یعنی بحکم فرمان قدیم یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ ط اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ط۔ مادر خانہ طبع و ہوا نیا سودیم دلبیر معنوی رواں شدیم"۔[1]

انیس العشاق

یہ تصنیف حضرت مخدوم کی نعت۔ منقبت اور غزلوں کا مجموعہ ہے۔ گزشتہ اوراق میں جستہ جستہ طور پر حضرت مخدوم کے رتبہ علمیہ بحیثیت شارح دکھانے کی

---

[1] شرح برہان العاشقین مصنفہ سید عبدالواحد بلگرامی ص (مجموعہ یازدہ رسائل)

کوشش کی گئی نیز کہیں کہیں تصنیفوں کے تبصروں میں محاسن بھی بتائے گئے ہیں۔

یہاں پر یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت کا شعروسخن میں کیا درجہ تھا۔

دیوان مذکور یعنی "انیس العشاق" کے دیباچہ سے معلوم ہوتاہے کہ اس کو ان کے ایک مرید نے جنہوں نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا مخدوم زادہ خورد سید محمد اصغر حسینی کے ایماء سے مدون کیا کس زمانے میں اس کی تدوین عمل میں آئی اس کا کوئی پتہ نہیں۔ نہ ہی انفرادی طور پر کیا جا سکتا ہے کہ کون سی غزل کس زمانے میں لکھی گئی تاکہ حضرت کے ارتقار ذہنی کا کچھ اندازہ لگایا جا سکے۔ البتہ "جوامع الکلم" میں مخدوم زادہ بزرگ حضرت سید محمد اکبر حسینی نے چند غزلوں کو ترتیب وار تاریخ کا لحاظ کرتے ہوئے جمع کیا ہے۔ غزلیں بہت کم ہیں۔ دوسرے وہ غزلیں صرف دو سال کے عرصہ پر مشتمل ہیں اس لئے ارتقار ذہنی کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ البتہ "جوامع الکلم" کی غزلوں اور مجموعے کے مقابلہ سے بعض غزلوں کی تصحیح میں ضرور مدد مل سکتی ہے۔

دیوان کے نسخے کو مولوی سید عطا حسین صاحب نے تصحیح و تحشیہ کے بعد عہد آفریں پریس حیدرآباد سے سنہ ۱۳۶۰ھ میں چھپوا دیا ہے۔ فاضل مرتب نے اس کی تصحیح میں کتب خانہ آصفیہ و ڈاکٹر نظام الدین صاحب کے ذاتی نسخہ سے جس کو موصوف نے بطور نذرانہ کتب خانہ روضتین میں محفوظ کر دیا ہے مدد لی ہے۔

حضرت مخدوم کو شعر گوئی سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"تقدیر آسمانی وخواست ربانی صحتی را بنام ما ثبت کرد دماغ لطیف وسبک شد۔ گرانسنگی بباد ہوا رفت۔ بجا صیت طبیعت میل بر غزلی و شعری شد۔ گفتم لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ چہ کار

من است ۔ والشعراء یتبعہم الغاون ۔ نعت کار من شود ۔ بضرورت
ذکرہ مائل بر شعر شد"۔[1]

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو شعر گوئی سے کوئی دلچسپی
نہ تھی ۔ بلکہ تائید غیبی اور غلبہ حال سے مجبور ہو کر شعر کہتے تھے ۔ شاید یہی
وجہ ہو جو حضرت کو خود اس دیوان کے مرتب کرنے کا خیال پیدا نہ ہوا۔ معلوم
ہوتا ہے کہ حضرت نے بہت سے شعر کہے ہیں لیکن صرف انہیں غزلوں کو جمع کیا گیا
جو مخدوم زادہ خورد کے پاس موجود تھیں ۔ بہت سے اشعار ایسے ہیں جو حضرت
کی تصنیفات میں ملتے ہیں ۔ لیکن ان کا دیوان میں کہیں پتہ نہیں ۔ ہمارے
اس شبہ کی تائید "تاریخ حبیبی" سے بھی ہوتی ہے صاحب تاریخ تصنیفات
کے ذکر میں فرماتے ہیں ۔

"بست و ششم یک دیوان جمع کردہ مولانا عماد فتح آبادی یعنی
می فرمایند غزلیات بندگی مخدوم بسیار بودہ است ۔ مردمان
دیگر بسیار سخنہائے دیوان ہم جمع کردہ باشند"

اس اقتباس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "انیس العشاق" کے مرتب
جنہوں نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا ممکن ہے یہی مولانا عماد فتح آبادی ہوں جن
کا ذکر صاحب تاریخ نے بطور مرتب دیوان ظاہر کیا ہے ۔

دیوان مذکور (۳۲۷) غزلوں (۲۶) اشعار کی ایک مثنوی اور
(۹) رباعیات پر مشتمل ہے ۔ تمام اشعار ردیف وار جمع کئے گئے ہیں
حروف ث ۔ ج ۔ خ ۔ ذ ۔ س ۔ ص ۔ ض ۔ ط ۔ ظ ۔ غ ۔ غ ۔
ف ۔ ق ۔ ک ۔ گ اور ل کے علاوہ تمام ردیفوں کی غزلیں موجود
شعراء کے عام طریقہ کے خلاف حضرت مخدوم نے اپنا کوئی خاص تخلص

---

[1] اسمار الاسرار (دیباچہ) صـ

نہیں کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ شاعری کی طرف کوئی خاص توجہ مبذول نہ فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ غزلوں میں اپنے نام کا کوئی جزو شریک کر دیتے ہیں۔ بعض وقت پورا نام بھی آجاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ای ابوالفتح محمد صدر گیسو دراز
مختصر کن چند نالی قصہ خود گرد آر

عموماً شعراء اپنا تخلص مقطع میں بیان کرتے ہیں لیکن حضرت مخدوم اس کا کوئی التزام نہیں کرتے کہ ان کے نام کا جزو مقطع ہی میں واقع ہو۔

اس چیز کا کہیں ذکر نہیں ملتا کہ حضرت مخدوم نے شاعری میں کس مسلم الثبوت استاد سے اصلاح لی۔ اس زمانے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر خسروؒ و حسن سنجری کا شاعری میں طوطی بول رہا تھا۔ حضرت امیر خسروؒ حضرت مخدومؒ کے ہوش سنبھالتے سنبھالتے گزر گئے۔ البتہ حضرت حسن سنجری حضرت مخدوم کے والد کی طرح سنہ ۷۲۸ھ میں سلطان محمد تغلق کے دہلی چھوڑ کر دولت آباد جانے کے حکم پر دولت آباد میں آکر بس گئے۔ اور یہیں سنہ ۷۳۸ھ میں راہی عالم جاودانی ہوئے۔ حسن کا مزار اب تک دولت آباد میں موجود ہے۔ حسن کو اور حضرت مخدوم کے والد بزرگوار کو سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے عقیدت اور ارادت تھی۔ ممکن ہے یہ تعلق دونوں کی ملاقات کا باعث ہو۔ اور ابتدا ہی میں حسن نے حضرت مخدوم میں شعری صلاحتیں دیکھ کر ان کو مشق کرائی ہو۔ ہمارے اس گمان کی تائید حضرت اور حسن سنجری کے کلام کی یکسانیت سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت مخدوم کا کلام پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو امیر خسرو شیخ سعدی اور شیخ احمد جام سے عقیدت تھی۔ اور بہت سی غزلیں انہوں نے ان کے جواب میں کہیں۔ لیکن کلام کی صفائی۔ الفاظ کی بندش۔ بلندی

مضامین ۔ لطافت بیان وطرز ادا کی جدت کے اعتبار سے حضرت مخدوم اور حسن سنجری کا کلام کافی مماثلت رکھتا ہے ۔

حضرت مخدوم کا کلام اسرار و رموز کا گنجینہ ہے ۔زبان بہت ہی سلیس اور صاف استعمال کرتے ہیں ۔ الفاظ کے استعمال پر کافی قدرت ہے ۔ ہر جگہ الفاظ نگینہ کی طرح جڑتے چلے جاتے ہیں ۔ بندش الفاظ کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے مطالب کو مختصر الفاظ میں ادا کر جاتے ہیں ۔ کلام میں آورد نہیں بلکہ آمد ہے ۔ بحریں عموماً چھوٹی استعمال فرماتے ہیں ۔ مضامین کے اعتبار سے کلام بالکل الہامی معلوم ہوتا ہے ۔

کامیاب صوفیانہ شاعری اسی وقت ممکن ہے ۔جبکہ سوز دل سے کہی جائے جہاں سوز ہوگا لازمی طور پر اس شاعری میں اثر بھی ہوگا ۔ صوفیانہ شاعری کے یہی دو پہلو یعنی سوز و اثر ہیں ۔حضرت مخدوم نے شاعری کو اپنا پیشہ قرار دیا تھا ۔ اور نہ کبھی اپنی زبان کو بادشاہوں اور امیروں کی جھوٹی خوشامد میں ملوث کیا ۔ آپ ایک پر درد دل رکھتے تھے جو عشق الٰہی میں جل چکا تھا یہی وہ سوز ہے جس نے حضرت کی شاعری میں اثر پیدا کر دیا ۔ اسی لئے جو بات یا جو شعر کہتے ہیں دل میں گھر کر جاتا ہے ۔ اور اس شراب سے بدمست ہو کر دل بے اختیار جھومنے لگتا ہے ۔

عموماً شاعروں کے کلام میں تسلسل بیان نام کو نہیں رہتا جو ان کی پریشاں خیالی کا نتیجہ ہے ۔ حضرت مخدوم کے قلب وجگر پر صرف ایک ہستی کا خیال طاری تھا ۔ وہ ہستی خدائے قدوس کی تھی ۔عشق آپ کا پیشہ تھا اسی لئے آپ کو جو کچھ کہتے یا جو کچھ کرتے وہ خدا کی راہ میں ہوتا اسی طرح آپ نے جو کچھ لکھا خواہ وہ نثر میں ہو یا نظم میں صرف اپنے محبوب حقیقی کی خاطر لکھا ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا ہر شعر اسرار رموز سے پر ہے اور تسلسل بیان اس کا لازمی نتیجہ ہے ۔ ساتھ ہی شگفتگی ۔ رفعت خیال ۔ لطافت بیان

اور جدت ادا آپ ہی کا حصہ ہے۔ بطور دلیل چند غزلوں کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

چشم او رنجور میدارد مرا — لعل او مخمور میدارد مرا
جعد او گر خانماں ویراں کند — ہم بداں معمور میدارد مرا
رہنمونی وصل ہم معشوق کرد — بخت بدبیں دور میدارد مرا....
من نخواہم دل بہ دلبندی دہم — حسن تو مجبور میدارد مرا[1]

مرد معنی از جہاں دیگر است — گوہر لعلش زکاں دیگر است
زادل شکرانہ دارم سر بہ عشق — تا نہ گوئی کہ ایں فلانی دیگر است
یار مارا روی چوں ماہ تمام — بر رخ زیباش نشانی دیگر است
جعد گویم کار سر بازیست عشق — عشق باراں را نشانی دیگر است....
آنکہ در راہ یقین سر سودہ اند — ہر سرے صاحبقرانی دیگر است
کشتگان غمزہ معشوق را — ہر زماں از لطف جاں دیگر است....
باگروہی شد محمد خوب دید — کاں عزیزاں را نشانی دیگر است[2]

غزل مذکورہ شیخ احمد جام قدس سرہٗ کی مشہور غزل کے طرز و وزن پر لکھی ہوئی ہے جس کا مطلع ہے۔

منزل عشق از مکانی دیگر است — مرد معنی را نشانی دیگر است

حضرت کے دیوان میں ایک اور غزل ہے جو امیر علا حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور غزل کے وزن پر لکھی تھی حسن کی غزل کا ایک شعر یہ ہے۔

دوش دیوانہ چہ خوش میگفت — ہر کرا عشق نیست ایماں نیست[3]

---

[1] انیس العشاق صـ۷ـ۔ [2] انیس العشاق صـ۳۱ـ۔ [3] انیس العشاق صـ۸۵ـ

اس شعر کا دوسرا مصرعہ حضرت کو اتنا پسند آیا کہ اپنی غزل میں اسی کو دھرا دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

عشق بر خط و حال مذہب و دین است
ہر کرا عشق نیست ایمان نیست

اسی طرح حضرت کی بہت سی غزلیں ہیں جن میں واردات قلبی کو بہت ہی سلجھے ہوئے پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ ساتھ ہی پوری غزلیں عشق الہی کے جام سے سرشار ہو کر لکھی ہیں۔ یہاں پہ ایک غزل کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں۔ جس سے احساسات قلبی اور حضرت کے صحیح تاثرات کا پتہ چلے گا۔

پس از دیرے جمالے یار دیدم — رُخ زیبائی آں دلدار دیدم
شبی با ماہ روی خوش غنودم — دو چشم بخت خود بیدار دیدم
خوشی و خرمی افزود دولت — غم و اندوہ را در بار دیدم ....
محمد دیر بازا زیار دوری — دیار یار را دیدار دیدم [1]

حضرت کا تسلسل بیان مندرجہ ذیل غزل میں ظاہر ہے۔ یہ غزل سلاست و روانی کی بہترین مثال ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا حضرت اپنے مخاطب سے باتیں کر رہے ہیں۔

ای یار عزیز میتوانی — مارا ز بلائے ماربانی
یک بوسہ ز لعل خویش بخشی — مستانہ کنی زغم ستانی
حاشا کہ مرا میسر آید — بے یار عزیز زندگانی
گیرم کہ بجلوتی نیائی — باری او راز در نہانی
اے نازک و آفریدہ ز ناز — ای مایہ عیش و شادمانی
سروی تو ولی چو کبک رفتار — ماہی، تو کہ مہر می فشانی
با قد بلندی تو درازی — یا سینہ کشادہ تنگ دہانی
تاریکی شب زعکسی زلفت — از خندہ تست صبح ثانی

آں یارمراست چشم سرمست   یاخاست زخواب ناتوانی

از بوسہ شود لب تو احساس

بوالفتح یقین است در گمانی[1]

پوری غزل پڑھ جایئے کہیں رکاوٹ نہیں ہوتی یہ تخاطب اور اس سے بہتر سراپا معشوق کا کیا ہوسکتا ہے ۔ حقیقت کو مجاز کے پیرایہ میں اس خوبی سے ادا کرنا صرف حضرت اور حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ ہی کا حصہ ہے ۔

معراج العاشقین یہ ایک دکنی زبان کا ایک مختصر رسالہ ہے جسے حضرت کے قیام گلبرگہ کے آخری دور کی تصنیف کہنا چاہیئے ۔ اس میں حقیقت و معرفت کے مسائل سیدھی سادھی زبان میں ادا کئے گئے ہیں اور جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی تصوف اور مذہب کی اصطلاحیں بھی استعمال کی گئی ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم نے یہ رسالہ نہ صرف اپنے مریدوں اور معتقدوں کی تعلیم و تفہیم کے لئے لکھا تھا بلکہ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ایسے لوگ بھی جو صرف دکنی زبان سے واقفیت رکھتے تھے اس سے کماحقہ ہدایت حاصل کریں ۔ یہ رسالہ ایک مدت تک نایاب رہا ۔ ۱۹۲۴ء میں مولوی عبدالحق مرحوم کی تحقیق و تدقیق کی بدولت اس کی دوبارہ اشاعت جریدۂ تاج (حیدرآباد دکن) کے ذریعہ عمل میں آئی ۔ پھر اس وقت سے لے کر اب تک وہ اپنی افادیت اور نفع بخشی کے مقصد کی تکمیل میں مصروف ہے ۔

اردو زبان کے سبھی محقق اس بات پر متفق ہیں کہ یہ رسالہ قدیم

---

[1] دیوان انیس العشاق صـ ۱۱۲۶

اردو نثر میں نقش اول کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لحاظ سے حضرت مخدوم اردو زبان کے پہلے نثر نگار ہیں۔

اس رسالہ سے ایک اقتباس درج ذیل ہے جس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت نے کتنے موثر اور دل نشیں انداز میں کیسی اونچی باتیں تلقین فرمائی ہیں۔

"قال علیہ السلام من ارادَ العبادۃ بارادۃ الوصل فقد اشرک - یہ ہے اس کا معنا، جیکوئ نماز کیئے پو نماز کرنا شرک ہے - یو بات یوں نماز کیئے سو لوگاں کو معلوم ہے - بنی علیہ السلام فرماتے ہیں. شرع میں اللہ کو دیکھنا خوب ہے، دورست ہے، حضرت علیہ السلام کو معراج ہوا سو کل عالم کوں ظاہر ہے - ولے کاں ہوا سو معلوم نیں پیغیبر علیہ السلام کوں دیکھا کہے تو عالماں کو گماں پڑیا ہے - قال علیہ السلام لا راحۃ للمومنین الا بلقاء اللہ دیکھے بغیر یوں حضرت کے بولنے پو ایمان نہ لا تو اسلام تے دور پڑتا ہے - قال علیہ السلام کوی دونوں جہاں میں مگر اللہ کی ذات سیواے اپنے میں یو دیکھیا ہے، چپ رہے اگر دیکھیا ہوں کہے، شرک ہوتا ہے - ہور نیں دیکھیا کھیا تو کافر ہوتا ہے یوں پیغمبر اسلام حدیث نبوی فرمائے ہیں - من عرف اللہ لا یقول اللہ و من قال اللہ لا عرف اللہ - اس کا معنا بنی کہے، جیکوی پہچانیا خدا کوں، نیں بولتا زباں سوں، ہور جو خدا کا ناؤ لیتا زباں سوں نیں سمجھا خدا کوں"

حضرت مخدوم نے دکنی زبان میں ایک ہدایت نامہ، بہت سی نظمیں، راگ راگنیاں اور چکی نامے تحریر فرمائے تھے جو اب مختلف کتب خانوں کی بیاضوں میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ معراج العاشقین ہی وہ رسالہ ہے جسے مستقل تصنیف کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔

باب چہارم

حضرت کے علمی و ادبی و متصوفانہ کارنامہ کا خلاصہ

حضرت مخدوم کی تصانیف کی تمام تر بنیاد تصوف پر ہے۔ آپ نے جتنی کتابیں تصنیف فرمائیں ان کا واحد مقصد مریدوں اور طالبان حق کی تلقین و ہدایت تھی۔ آپ کی تصانیف سے کہیں یہ مترشح نہیں ہوتا کہ آپ نے محض علم و ادب کی خدمت کی خاطر کوئی کتاب لکھی ہو۔ یہ اور چیز ہے کہ ضمناً یہ مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہو۔

چونکہ آپ کا مقصد تصوف۔ سلوک اور عشق الٰہی رہا ہے اس لئے یہاں پر مختلف تصانیف سے مختصر سا ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ حضرت کے خیالات اور طریقہ تلقین و ہدایت پر روشنی پڑ سکے۔

حضرت مخدوم نے امام ابوالقاسم قشیری کے "رسالہ قشیریہ" کی شرح لکھی ہے۔ جہاں پر حضرت کو امام مذکور سے اختلاف ہوا۔ ادب کے ساتھ ان کے اقوال کی تردید کی ہے۔ اس شرح میں ابتداء تصوف کے متعلق فرماتے ہیں۔

"شیخ قدس اللہ سرہٗ (امام ابوالقاسم قشیری) نخست ذکر اقوامی کرد کہ ایشان اعلام دین اند و ہداۃ

"شیخ قدس سرہٗ (امام ابوالقاسم قشیری) نے سب سے پہلے اس جماعت کا ذکر کیا کہ وہ دین کو بلند کرنیوالے

و دعاۃ اہل اسلام اند۔ اول
صحابہ اند رضوان اللہ علیہم اجمعین
ایشان بودہ اند آنچہ بودہ اند
ہیچ شرف ایشان شارف نبود و ہیچ
فضل ایشان فاضل تر از صحبت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبود۔
ہر آنکہ با شرف نسبت ایشان
را خواندند گفتند صحابہ۔ صحابی
اصحاب رسول۔ و آنکہ رسول اللہ
را ندید صحابہ را یافت او را تابعین
نام کردند۔ و آنکہ از ایشان پستر
شد بیک مرتبہ۔ ایشان را تبع
تابعین نام کردند۔ پس ایشان
مردم صلحا را زہاد و عباد نامیدند
بعد آن جہالات و بدع و اہویہ
سر بر کرد۔ ہماں شد فیفشوا
الکذب۔ ہر قومی برائے خویش
معتقدے و مذہبے و دینی اختیار
کردند و آنرا گزیدہ تر شناختند۔
درایں چنیں ایام ہر طرفی فتن و
آفات و بدع و جہالات سر بر کردہ
است۔ مردمی بمبالغت و تقدر
وسع و طاقت خود در کار دین بذل

ہیں اور اہل اسلام کے ہادی و
دعوت دینے والے ہیں ان میں
اول صحابہ ہیں۔ خداوند تعالیٰ ان
سے راضی رہے۔ وہ تھے جو کچھ تھے
سب سے بڑا شرف و فضیلت جو
ان پر حاصل تھی کہ وہ رسولؐ کی
صحبت تھی اور اسی شرف کے
اعتبار سے صحابہ کہلائے اور صحابی
رسول کہلائے ۔ اور جن لوگوں نے
رسول کو نہیں دیکھا بلکہ صحابہ کو دیکھا
ان کو تابعین کہا گیا اور وہ جو ان
سے ایک درجہ بعد آئے ان کو تبع
تابعین نام دیا گیا۔ ان کے بعد نیک
لوگوں کو زاہد و عابد نام دیا گیا
ان کے بعد جہالت اور بدعت کی
ہوا چلی اور اس کا فتنہ کھڑا ہوا اور
جھوٹ پھیل گیا۔ ہر قوم نے اپنے
معتقدات اپنا دین اور اپنا مذہب
اختیار کیا اور اس کو سب سے بہتر
سمجھا ایسے زمانہ میں ہر طرف فتنہ و
فساد اور بدعت و جہالت نے
سر اٹھایا۔ بعض لوگوں نے (ایک
جماعت نے) اپنی طاقت و وسعت

جہد کردند۔ وانچہ استقصا
آن بود بداں رسانیدند اہتمام
دراین کردند البتہ نفس ایشان
جز اتباع رسول اللہ در جزوی و
کلی نباشد و بواطن ایشان جز بحق
ستغرق نبود۔ البتہ نخواستند کہ
طرفتہ العین دل ایشان طرفی متعلق
شود جز طرف حق۔ وخطرہ در دل
ایشان در آید جز خطرہ خدا۔ ازجملہ
اکساب و اجبان (ممکن ہے یہ لفظ
"احباب" ہو) منقطع ومنزوی
گشتند وتمام خودرا بدین دادند
ایشان را صوفی نامیدند از آنچہ
ازہمہ صاف تر و پاک تر آمدہ اند
واین از خود نکردند وخود باختیار
خویش چیزی پیش نگرفتند۔ سرور
ایشان مرتضی است "[1]

کے موافق دین کے کاموں میں اضافہ
کیا جیسا کہ زمانہ کا تقاضہ تھا البتہ ان
کے دل میں اتباع رسول کے سوائے
جزاً و کلاً کچھ نہ تھا اور ان کے باطن
سوائے خدا کے کسی اور طرف راغب
نہ تھے۔ ہرگز نہ چاہتے تھے کہ پلک
جھپکنے تک بھی سوائے خدا کے کسی
اور طرف رجوع ہو اور سوائے
خدا کے کسی اور کا خیال دل میں آئے
تمام اکساب و علائق سے قطع تعلق
کرکے گوشہ نشین ہوگئے اور اپنے
آپ کو اس میں غرق کردیا ایسے لوگ
صوفی کہلائے یعنی اس لئے کہ سب
سے صاف تر و پاک تر ہیں اور انہوں
نے یہ اپنے طرف سے نہیں کیا اور اپنے
اختیار سے کسی چیز کو اختیار نہیں کیا
اور ان کے سردار مرتضیٰ ہیں "

اس اقتباس کی رو سے حضرت کے پاس صوفی وہ ہے جس نے اتباع شریعت کی اور جو "ازہمہ صافتر و پاکتر" ہے۔

حضرت مخدوم نے دنیا کے پیدا کرنے کے مقصد اور خلق انسان کے با۔۔۔ں فرمایا ہے کہ

---

[1] شرح رسالہ قشیریہ صفحہ ۵۶

" داود صلواة اللہ علیہم از
حضرت تعالی پرسید۔ یارب لماذا
خلقت الخلق اے پروردگار من
چہ حکمت بود دچہ سر بود و چہ مصلحت
بود کہ خلق را آفریدی جواب شنید
کنت کنزاً مخفیاً فا حببت ان اعرف
گنجے نہانی بودہ ام دوست داشتم
کہ مرا بشناسد۔ خود را گنج خواند یعنی
ذات ام متنوع صفات باختلاف
اعتبارات۔ جمال من دارم۔ جلال
من دارم۔ قہر از من بر آید۔ لطف
از طرفے من روی نماید۔ قدرت
مرا۔ علم مرا۔ سمع مرا۔ بصر مرا.....
الی باقی صفات لا تیناہی حصر لہا۔
بدین اعتبار گنج نام نہاد۔ ایں ہمہ
درمن بالقوت بود۔ خواستم۔ از
حجرۂ قوت بصحرائے فعل آید ہمچو خواستن
محب محبوب خود را بنا بریں مصلحت
و بنا برایں حکمت خلق را آفریدم انواع
ذات را مخلوق کردم۔ ہر ذاتے مظہر
صفتی باشد۔ شمس را آفریدم۔ قمر را
آفریدم۔ زہرہ و مشتری و عطارد
دزحل و مریخ وکذالک الباقیات.....

" اے پروردگار من کیا حکمت
تھی اور کیا راز تھا اور کیا مصلحت
تھی کہ مخلوق کو پیدا کیا۔ جواب ملا۔
میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے
چاہا کہ جانا جاؤں۔ میں چھپا ہوا
خزانہ تھا میں چاہتا تھا کہ مجھے لوگ
پہچانیں۔ خود کو گنج کہا ہے یعنی ایسی
ذات جسمیں متنوع صفات بہ اختلاف
اعتبارات ہوں مجھ میں جمال ہے۔
مجھ میں جلال ہے۔ قہر مجھ سے ہوتا ہے
مہربانی مجھ سے ہوتی ہے۔ مجھے قدرت
حاصل ہے۔ علم ہے سنتا ہوں۔ دیکھتا
ہوں۔ اور اسی طرح صفات لامتناہی
جن کا شمار ممکن نہیں اس لئے اپنا نام
گنج (خزانہ) رکھا۔ یہ تمام مجھ میں
بالقوت تھی میں نے چاہا قوت کے
حجرہ سے فعل کے صحرا میں آؤں
جس طرح محب اپنے محبوب کو چاہتا
ہے۔ اس مصلحت سے اور اس حکمت
کی بنا پر انسان کو پیدا کیا اور کئی
قسم کی مخلوقات پیدا کیں۔ ہر ذات
ایک صفت کا مظہر ہے۔ سورج کو
بنایا۔ چاند بنایا۔ زہرہ۔ مشتری

چندیں وجودات پیدا کردہ ام وہر یکی را مظہر صفتی ساختم ..... ان اعرف خلق را آفریدم تا خود را شناسم۔ علیم بود خواست چنیں شود۔ قبل وجود الاشیاء بالاشیاء علیم بود۔ خبیر گشت باشیاء بعد وجود الاشیاء خود را خود نتواند دید۔ آئنہ باید ساخت تا عکس تو در آن آئینہ پدید آید و تو شخص خود را مشاہدہ کن۔ جمال تو در او نظارہ شود۔ بیت

یارب بستان داد من از جہان سکندر
کو آئینہ ساخت کہ در وی نگری تو

لیلی جمال خود را در آئینہ نظارہ کرد گفت اے مجنوں دیوانہ اکنون نظارہ کن

او در ہمہ باشد با ہمہ باشد ہمہ از او باشند و بدو باشند۔ او خود را خود بیند۔ و بخود بازد و بغیر نپردازد۔ فاحببت ان اعرف۔ حاصل کلام چہ آمد اصل خلقت را حکمت ہمیں محبت و معرفت آمد۔ [1]

عطارد۔ زحل۔ مریخ۔ اور باقی تمام کو پیدا کیا ..... کئی وجودات پیدا کئے اور ہر ایک کو کسی نہ کسی صفت کا مظہر بنایا .... ان اُعْرَفَ۔ خلق کو پیدا کیا تا کہ خود کو جانوں۔ علیم تھا (جانتا تھا) چاہا کہ ایسا ہو۔ اشیاء کے وجود سے قبل اشیاء کو جانتا تھا۔ تمام چیزوں کا جاننے والا ہوا۔ خود کو خود نہیں دیکھ سکتا۔ آئینہ بنانا چاہئے تا کہ تیرا عکس اس میں ظاہر ہو۔ تو اپنی شخصیت کو مشاہدہ کر تیرا جمال اس میں نظر آئے۔

لیلی نے اپنا جمال آئینے میں دیکھا اور کہا اے مجنوں دیوانہ اب نظارہ کر۔ وہ سب میں موجود ہے سب کے ساتھ ہے۔ سب اسی سے ہے۔ اور اسی کے ہیں۔ وہ خود اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ وہ خود سے کھیلتا ہے اور کسی غیر سے مشغول نہیں ہوتا۔ چاہتا تھا کہ جانا جاؤں حاصل کلام کیا ہوا خلقت کی اصل اور حکمت یہی محبت و معرفت ہے۔

---

[1] اسرار الاسرار دسم چہل و ہفتم، ص ۱۵۸

حضرتؒ کے اس بیان کے بعد صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا و انسانؑ کے پیدا کرنے کا مقصد محبت و معرفت ہے۔ اسی لئے حضرت نے تصانیف میں اس بات پر بار بار زور دیا ہے کہ دنیا فانی ہے۔ یہاں کی کسی چیز کو بقا نہیں۔ اس دار المحن میں اگر کوئی چیز قابل حصول و قابل اعتنا ہے تو صرف ذات الٰہی اور اس کی معرفت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"شیوخ رضی اللہ عنہم بالتثبت والرسوخ علی الاجماع والاتفاق گفتہ اندکہ اجمل مطالب و اجل مقاصد محبت و معرفت خداوند است تعالیٰ و موانع ادراک ایں سعادت را چہار چیز شمردہ اند دنیا و خلق و نفس و شیطان و طریقہ دفع دنیا قناعت، و طریقہ دفع خلق عزلت۔ و راہ دفع نفس خلاف۔ و رہ دفع شیطانؑ ساعتہً فساعتہً التجا الی اللہ تعالیٰ نیکو سخنی ایں اما ایں فضلاع در باب کسی است کہ از رہ حکمت و سبیل ہمت خواہد سلوکے کند۔ ایں چہار بند پائی او باشد۔ و بداں طریق کہ فرمودہ اند کشادن آں بند ہا بود۔ اما نیک بختی کہ در اصل خلقت او را محب و محبوب آفریدہ است دنیا چہ وزن دارد کہ پائبندِ راہ مطلوب شود

"جملہ شیوخ" خدا ان سے راضی ہو کہ یہی کہا ہے کہ۔ اصل مطلب اور اصل مقصد خداوند تعالیٰ کی محبت و معرفت ہے۔ اور اس سعادت کے حصول میں چار چیزوں کو مانع قرار دیا ہے۔ دنیا۔ خلق۔ نفس و شیطان اور دنیا کو دفع کرنے کا طریقہ قناعت ہے اور خلق سے بچنے کا طریقہ گوشہ نشینی ہے اور نفس سے بچاؤ خلاف جانے میں ہے اور شیطان سے بچاؤ ہمیشہ اللہ سے التجا کرنا ہے۔ اس بات میں بہترین بات کسی شخص کے لئے یہ ہے کہ جو شخص بطریق حکمت و سبیل ہمت سلوک کا راستہ اختیار کرے اس کے پیروں میں یہ چار بیڑیاں ہوں، اور جس طریقہ سے بتایا گیا ہے ان سے خلاصی حاصل کیجا سکتی ہے۔۔۔۔ لیکن اس نیک بخت کے نزدیک جسے

اوراکہ اقل من جناح بعوضة نامند رونده را چگونه از روش او باز دارد ۔ اول دنیا عدم و آخر او عدم وجودے متخلل بین العدمین شد ہم بداں بازگشت"۔ [1]

اصل خلقت میں محب و محبوب بنایا گیا ہے دنیا کی کیا حقیقت ہے کہ وہ راہِ مطلوب کی رکاوٹ بن سکے (جسے ایک مچھر کے پر سے بھی کمتر کہا گیا ہے) اور وہ سالک کو کیونکر اس کی روش سے باز رکھ سکے گی ۔

حضرت مخدوم کا خیال ہے کہ اس ذات کی طرف بڑھنا چاہیئے اور اس کو حاصل کرنا چاہیئے جس نے اس دنیا کو پیدا کیا اور جس کے پیدا کرنے کا مقصد "کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف" سے ظاہر ہے ۔ حضرت کے نزدیک طالبانِ حق کے دو طبقے ہیں ایک طبقہ وہ ہے جو عقل و حکمت سے مقصود کا طالب ہے اور دوسرا وہ ہے جو عشق کا راستہ اختیار کرتا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

"طالبان برأنواع اند ۔ طالبی باشد بعقل و فہم خویش اختیار طلب خدا کرده باشد زیرا چہ اعلیٰ واجل است واوجب و اثبت است و اعظم و اقدم است ۔ اکنوں آں فرد طالبی بره حکمت است عاشق نیست ۔ عاشق و محب دیگر است آں حالتی است کہ جز القرار من اللہ نیست ۔ درحقیق گفت و شنید نمی گنجد ہماں واجد مبتلا داند از آں قضیہ کہ گفتیم"۔ [2]

" طالب کئی قسم کے ہوتے ہیں ۔ ایک طالب وہ ہوتا ہے جو اپنی عقل و فہم کے ذریعہ خدا کا طالب ہوتا ہے اس لئے کہ برتر و بزرگ ہے ۔ واجب و ثابت ہے ۔ بڑا اور اولیت رکھنے والا ہے ۔ لیکن ایسا طالب عقل کے راستہ خدا کو پہچانتا ہے عاشق نہیں ہے ۔ عاشق اور چاہنے والا اور ہی ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے سوائے خدا کے اور کسی سے التقا نہیں ہے ۔

---

[1] اسمار الاسرار (دسمری و نہم) ص۱۳۲ ۔ [2] خاتمہ ص۱۰۱ ۔ فقرہ ۱۸۰

(بحث و مباحثہ) نہیں پناہ لیتی ۔"

ان دو راستوں میں حضرت نے عشق و محبت کے راستے کو ترجیح دی ہے ۔ عشق کے متعلق ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

"نشنیدہ اگر عشق نبودے فلک نگردیدے ۔ وگر عشق نبودے دریا نشوریدے وگر عشق نبودے باراں نباریدے ۔ اگر عشق نبودے سبزہ نہ روئیدے ۔ وگر عشق نبودے حیواں نزائیدے ۔ گر عشق نبودے انساں بعہد بلاغت نرسیدے گر عشق نبودے خدا را کسی نپرستیدے گر عشق نبودے جمال اللہ کسی ندیدے من نمیدانم ازیں گفتار من تو چہ فہم میکنی ۔" ؎

"تونے نہیں سنا کہ اگر عشق نہ ہوتا تو یہ فلک نہ ہوتا ۔ اگر عشق نہ ہوتا تو دریا میں تلاطم نہ ہوتا ۔ اگر عشق نہ ہوتا تو بارش نہ ہوتی ۔ اگر عشق نہ ہوتا تو سبزہ نہ اگتا ۔ اگر عشق نہ ہوتا تو حیوان پیدا نہ ہوتے ۔ اگر عشق نہ ہوتا تو انسان شباب کو نہ پہنچتا ۔ اگر عشق نہ ہوتا تو کوئی خدا کو نہ پوجتا ۔ اگر عشق نہ ہوتا تو کوئی خدا کا جمال نہ دیکھ سکتا ۔ میں نہیں جانتا کہ میرے اس بیان سے تو کیا سمجھ رہا ہے ۔"

پھر آپ فرماتے ہیں کہ اس عشق و محبت کے راستہ پر گامزن ہونے کے لئے تزکیۂ نفس کی ضرورت ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے ۔

"محبت بر دو قسم باشد عامہ و خاصہ ۔ محبت عامہ عبارت است از امتثال اوامر بود محبت خاصہ کاسمہ خاصہ است ۔ وہب صرف است

"محبت کی دو قسمیں ہیں عام اور خاص ۔ عام محبت سے مراد امتثال اوامر ہے اور خاص محبت جو خاص ہے وہب صرف ہے ۔

؎ اسرار الاسرار صفحہ ۱۳

لطف محض است۔ وایں را علامتی واشارتی نمودار شدہ است۔ تزکیۂ دوام وتوجہ نام نشان محبان خاص است۔ تزکیہ نفس باتفاق عبارت از چہار قاف است۔ قلت الطعام وقلت المنام وقلت الکلام وقلت الصحبۃ مع الانام۔ چوں برایں چہار قاف وقوف شود از جو تزکیہ نفس دست دہد "[1]

لطف محض ہے اور اس کی نشانیاں اور اشارات ظاہر ہیں۔ ہمیشہ کا تزکیہ نفس اور توجہ کامل خاص عاشقوں کا نشان ہے۔ تزکیۂ نفس چار قاف پر مشتمل ہے قلت الطعام (کم کھانا) قلت المنام (کم سونا) قلت الکلام (کم بولنا) وقلت الصحبتہ (کم میل جول رکھنا) جب ان چار قاف پر دوام ہو جائے تزکیۂ نفس حاصل ہو جاتا ہے "

حضرت مخدوم کا مسلک خصوصیت کے ساتھ عشق و محبت رہا ہے۔ اور آپ نے اپنی تصنیفات میں یہی پیغام دنیا تک پہنچایا ہے۔ ان کے پیرو مرشد حضرت نصیرالدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد واللہ خلاف نیست کہ او عشقباز شد[2]

لیکن محبت کی راہ بہت ہی پرخطر واقع ہوئی ہے۔ ہر شخص میں محبوب بندہ ہونے کی صلاحیت نہیں ہے جو شخص یا طالب حق عشق و محبت کے راستہ پر گامزن ہونا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا کوئی رہبر وہادی یا مرشد کامل پیدا کرنے کیونکہ یہ راستہ بہت ہی پرپیچ اور تلوار کی دھار سے زیادہ باریک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے چند محبوب بندوں میں اس کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعہ خدا تک پہنچ جاتے

---

[1] مکتوبات بندہ نواز صـ۹

[2] اخبار الاخیار مصنفہ عبدالحق محدث دہلوی صـ۱۳۳

ہیں۔ لیکن ایسے لوگ جن میں بالغ نظری ابھی پیدا نہیں ہوئی ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ پیر کامل کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیں۔ پیران کی کثافتوں اور دنیاوی حرص کی شعلہ باریوں کو ذکر و مراقبہ مجاہدہ و ریاضت۔ فرائض و نوافل سے دھو دیتا ہے۔ اور انہیں اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ معرفت کے راستہ کو جلد جلد طے کریں۔ یہ طریقہ زندگی کے ہر شعبہ میں نظر آتا ہے کہ انسان کو استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ تصوف وسلوک میں بھی اس کی سخت ضرورت ہے۔ اسی چیز کو حضرت مخدوم اس طرح سمجھاتے ہیں۔

"توجہ تام بے تلقین پیرو مرشد میسر نشود۔ اگر مرشد مسترشد را توجہ حضور صورت خود فرماید دراں چند مصلحت باشد۔ نخستین مصالح جمع ہمت۔ ابتدا غیب را تصور حضور مشکل باشد۔ مرئی معلومے مشخصے را با احسن الہیات و اجمل الاشکال و الصور تصور کند زودتری میسر آید۔ چوں دل بجمع ہم اعتناق گیرد از آنجا تواں بیشتر آسان و سہل ترقی کند۔ بتصور حضور رعایتی رود و عنقریب بمراقبہ تواند شد۔ و دیگر پیر ہموارہ در مشاہدہ و محضر الہیات است۔ چوں دل مرید ہموارہ بتصور حضور پیر بود وقتی چنیں اتفاق افتد کہ

"کامل توجہ بغیر پیرو مرشد کی تلقین کے حاصل نہیں ہوتی۔ اگر مرشد مرید کو اپنی صورت کو حاضر یعنی پیش نظر رکھنے کے لئے کہتا ہے تو اس میں خاص مصلحت ہے۔ ابتدا حال میں غیب کا تصور مشکل ہوتا ہے خاص طور پر ایک معلوم شخصیت کو بہتر حسن اور اچھی شکل میں تصور کرتا ہے جلد ہی رجوع میسر آتا ہے جب جمع خاطر حاصل ہوتی ہے تو آسانی سے اس سے بہتر کا تصور سہل ہو جاتا ہے۔ تصور حضور سے جلد مراقبہ تک پہنچتا ہے اور دوسرے یہ کہ پیر خداوند تعالیٰ کے مشاہدہ میں رہتا ہے اور جب مرید کا دل ہمیشہ پیر کے حضوری کے تصور میں رہیگا

بین القلبین محاذاتے درستے شود انچہ پیر بعبد ریاضت و مجاہدہ حاصل روزگار خویش کردہ است مرید را باہمہ ہوا ہا وگرفتاریہا نقد وقت او باشد "[1]

ایک وقت ایسا آئے گا کہ دونوں کے دل اس طرح بالمقابل ہونگے کہ جو کچھ پیر نے سیکڑوں ریاضتوں و مجاہدوں سے حاصل کیا ہے مرید کو ان تمام علائق کے باوجود وہ چیز حاصل ہو جائے "

اسی چیز کو حضرت مخدوم نے دوسری جگہ اور وضاحت سے فرمایا ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ جو شخص یا طالب معرفت الٰہی اور تصوف و سلوک کا راستہ طے کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے مرشد و ہادی پیدا کرے۔ جوانمرد ہو۔ پاکی نفس پیدا کرے اور عزلت و تنہائی اختیار کرے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

"مرید و طالب را چند شرط است۔ از معظمات سلوک ایں است کہ نخست مرشد و ہادی را پیدا کند۔ میاں مرشد و ناصح تفرقہ تواند کرد و تفرقہ کردن مشکل باشد۔ ہریکی علی العموم زبان نصح کشادہ و متضمن نصح و انذار است چوں تفرقہ می شود کہ میاں ایشان منذر کیست و ہادی کیست۔ مرشد از دوزخ انذار می کند و بہشت

" مرید اور طالب کے لیے چند شرطیں ہیں۔ سلوک میں سب سے پہلے یہ ہے کہ مرشد و ہادی پیدا کرے۔ مرشد و ناصح میں امتیاز کر سکے لیکن ان میں امتیاز مشکل ہے ہر شخص عام طور پر نصیحت کرتا ہے اور ڈراتا ہے۔ امتیاز کیسے ہو کہ ان میں منذر کون ہے اور ہادی کون ہے۔ مرشد دوزخ سے ڈراتا ہے اور بہشت کی امید دلاتا ہے

---

[1] مکتوبات بندہ نواز ص۳۴۶

ارجا - کذالک قرب حق و بعد
از وی - این انداز آمد ہادی
ہمیں می کند تفرقہ کردن برآں
طالب بیچارہ مشکل است - نیک بختی
اورجاً بالغیب ..... و شرط دیگر
طالب را باید جوانمرد باشد ہمہ چیز
خود را تواند باخت - مال و منال
و جاہ و رسم و عادت و اہل و ولد
و مسکن و بلد - ہر چہ جز مقصود است
از ہمہ چیز تواناد خواستن - و شرط
دیگر پاکی نفس و پاکی نفس حدے
ندارد - تا آنکہ میتوان تزکیہ کن
نخست از مکارہ شرعی - دیگر از
اخلاق ذمیمہ چنانچہ حرص و حسد
و غضب و شہوت - و در بند چیزی
ماندن محسوسے و ملذذے عقلی
وحسی - و شرط دیگر ہر چہ کند کند
آں را وزنے نہند - نداند کہ چیزی
کردم - و دیگر شرط تنہا باشد اگر
بادیہ دسرداہ میسر آید - نکوتر باشد
شرط دیگر البتہ از صحبت زن دور
باشد و اگر مرد متاہل است جز
بقدر احتیاج نزدیک نشود - و

اور اسی طرح قرب حق و بعد اس
سے - یہ انداز ہے - ہادی بھی یہی
کرتا ہے اور اس میں امتیاز کرنا طالب
بیچارہ کے لئے مشکل ہے -
اور شرط دیگر طالب کیلئے یہ ہے
کہ جوانمرد ہو اپنی ہر چیز کو چھوڑ سکے
مثلاً مال و اسباب - مرتبہ و رسم و
عادات - اہل و عیال اور جائے سکونت
و شہر - سوائے مقصود کے ہر چیز سے
رشتہ توڑ سکے - اور شرط دیگر یہ ہے
کہ پاکی نفس ہو - پاکی نفس کی کوئی
حد نہیں ہے - لیکن جہاں تک ہو سکے
تزکیہ کرے - پہلے شرعی مکروہات سے
دوسرے برے اخلاق سے مثلاً لالچ
حسد - غضب اور شہوت اور ایسی
قیود جس سے عقلی و حسی لذتیں حاصل
ہوں - دوسری شرط یہ ہے کہ جو کچھ
کرے اس پر غرور نہ کرے - یہ نہ سمجھے
کہ میں نے بھی کوئی چیز کی ہے - دوسری
شرط یہ ہے کہ تنہا رہے اگر جنگل و
ویرانہ میسر آئے تو بہتر ہے - دیگر
شرط یہ ہے کہ عورت کی صحبت
سے پرہیز کرے اور اگر شادی شدہ

شرط دیگر اہتمام در حلال خوردن باشد اگر زمانہ چنیں افتد حلال مشتبہ شود از طرف خویش احتیاط می کند۔"[1]

ہے تو بقدر ضرورت قرب حاصل کرے دوسری شرط یہ ہے کہ اکل حلال کا اہتمام کرے۔ اگر زمانہ ایسا ہو کہ حلال میں امتیاز کرنا مشکل ہو تو اپنی طرف سے احتیاط برتے۔"

یہ شرائط بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ اور بھی بہت سی شرطیں ہیں جن کا ذکر حضرت نے "خاتمہ" اور "ترجمہ آداب المریدین" میں کیا ہے۔ ان کتابوں میں حضرت نے مرید طالب کے لئے اٹھنے بیٹھنے۔ کھانے پینے۔ سونے جاگنے وغیرہ کے آداب اور ایک لائحہ عمل پیش کیا ہے۔

اگرچہ حضرت مخدوم نے طالب کے معظمات شرائط میں جوانمردی کو بھی بتایا ہے لیکن اس سے ضعیفوں اور بوڑھوں کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے عموماً بزرگان دین و مرشدان کامل کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان چالیس سال کی عمر تک مجاہدہ و ریاضت کرسکتا ہے بعد ازاں اس کے اعضار میں اضمحلال شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ طالب اوائل عمر میں سلوک کے منازل طے کرے۔ ان حضرات کرام نے بوڑھوں کو مایوس کردیا تھا۔ لیکن حضرت مخدوم نے تصوف و سلوک کا ایسا راستہ اختیار کیا جس پر ہر جوان و پیر گامزن ہو سکتا تھا چنانچہ فرماتے ہیں۔

"مرشدان پیران را در بر نگرفتہ اند و اقدام در ارشاد ایشان نکردہ اند۔ ہم درد دد نے داشتہ اند و فرمودہ اند ترا

"مرشدوں نے بوڑھوں کو قریب نہیں آنے دیا ہے اور ان کو راستہ بتانے سے گریز کیا ہے اور ان کو چھوڑ دیا ہے اور فرمایا ہے کہ تیرا

---

[1] "خاتمہ"، ص۵ ف ۱۱۷

آوان طلب گزشتہ است منم کہ پیران را بر امید می دارم بر احوال و بر وجدانے نشان دادہ ام کہ خون دل طالبان سبی آب شود کہ ہیچ کار نیاید "[1]

طلب کا زمانہ گزر چکا ہے میں ہی ہوں کہ بوڑھوں کو بھی امید دلائی ہے اور ان کو حال و وجدان کا ایسا راستہ بتایا ہے کہ طالبوں کا دل پانی ہو جاتا ہے"

حضرت مخدوم نے جا بجا اس راستہ کی توضیح کی ہے اور معرفت الٰہی کے طریق کو معین کیا ہے۔ اور بار بار پیر کامل کے صحبت کی تلقین کی ہے۔ آپ کی تمام تصانیف معرفت و عشق و محبت سے پٹی پڑی ہیں۔ یہی عشق و محبت آپ کا پیغام و مسلک ہے۔ آپ ہمیشہ فرماتے رہے ہیں کہ بقول ایک بزرگ کے۔

جہاں عشق است و دیگر زرق سازی   ہم بازی است الا عشق بازی

اسی عشق کی حقیقت کو سمجھانے کے لئے حضرت نے ایک رسالہ " وجود العاشقین" لکھا ہے۔ جس کا ذکر " تبصرہ تصانیف" کے باب میں ہو چکا ہے۔ اسی رسالہ میں حضرت نے ایک جگہ بیان کیا ہے۔

" چوں حیات و ممات ایں درخت (درخت عشق مراد ہے) شنیدی و دریافتی اکنون با ہوش بشنو و دریاب کہ نہال ایں درخت در فنا است کہ آں را بقاء گویند و وجہہ اللہ خوانند و ذات اللہ نامند۔ کما قال اللہ تعالیٰ کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال

" جب اس درخت (درخت عشق) کی حیات ممات تو نے سن لی اور جان لیا اب غور سے سن اور حاصل کر کہ اس درخت کا کھلنا پھولنا فنا میں پوشیدہ ہے کہ جس کو بقا کہتے ہیں اور جس کو وجہ اللہ و ذات اللہ کہتے ہیں۔ جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ سب کو فنا ہے اور صرف خدائے

---

[1] " خاتمہ" ص۱۶۵ فقرہ ۳۰۶

والاکرام - ایں فنا بمعنی بقا است
وایں درخت دروں و بروں گرفتہ
وظاہر و باطن پیوستہ بلکہ عین درخت
شدہ و یکی گشتہ و دو نماندہ - اکنون
بہ بیں کہ جملہ ایں درخت بقا است
کہ آں را عشق نیز گویند کہ ایں درخت
عشق لا حد لا نہایت لامثل و لا
غایت خود بخود شکل و صورت صد
ہزاراں رنگہائی بیشمار دارد وحدہٗ
لاشریک لہٗ "[1]

رب العزت کے چہرہ کو بقا ہے - یہ
فنا بمعنی بقا ہے اور یہ درخت ظاہر
و باطن سے پیوست ہو کر بلکہ عین
درخت ہو جاتا ہے - ایک ہو جاتا ہے
دوئی باقی نہیں رہتی - اب دیکھ کہ
اس درخت کی حقیقت بقا ہے کہ جس
کو عشق بھی کہتے ہیں اور اس درخت
عشق کی نہ کوئی حد ہے نہ مثال ہے
نہ انتہا ہے - ہزاروں رنگ و شکل
و صورت کی حامل ہے - وحدہٗ لا
شریک لہٗ "

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ انسان عشق الٰہی میں مرنے کے بعد فنا نہیں ہوتا بلکہ بقا حاصل کرتا ہے - جو شخص دنیا میں اپنی ہستی کو مٹا دیتا ہے اور فنا فی اللہ ہو جاتا ہے - دوئی کو چھوڑ دیتا ہے اور خود کو منبع ذات الٰہی میں ضم کر دیتا ہے بظاہر وہ اپنی ہستی کو ختم کر دیتا ہے لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے انسان دریائے وحدت کا ایک جدا شدہ قطرہ ہے جو اس دار المحن یعنی دنیا میں چھوڑ اگیا ہے - جب وہ یہاں کے اچھے برے کو دیکھتا ہے - ٹھوکریں کھاتا ہے خود کو دریائے وحدت سے دوبارہ منسلک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو حقیقت میں وہ فنا نہیں ہوتا بلکہ اپنا مقصد اصلی پا کر یعنی دریائے وحدت میں ملکر بقائے دوام حاصل کر لیتا ہے حضرت کے پاس اس قسم کی بقا صرف فنا فی اللہ ہونے میں ہے اور اسی چیز کا اشارہ حضرت نے اپنے اس اقتباس میں پیش کیا ہے نیز وحدت الوجود کے مسئلہ

---

[1] رسالہ "وجود العاشقین" ص۵

کو لطیف پیرایہ میں سمجھایا ہے۔ اسی چیز کو حضرت رسالہ مذکور میں ان اشعار میں پیش فرماتے ہیں۔

وجودی ندارد کسی جز خدا — ہما لست باشد ہمیشہ بجا
تماشائی خود را بخود نمود — ہموں عاشق وعشق ومعشوق بود[1]

حضرت مخدوم نے بعض مسائل میں اپنے پیشروں سے اختلاف بھی کیا ہے۔ چنانچہ اہل سنت والجماعت کا بالاتفاق عقیدہ ہے کہ مومن قیامت کے روز اور بہشت میں دیدار الٰہی سے مشرف ہوگا اور اس کے جمال کے نظارہ سے بہرہ اندوز ہوگا۔ معتزلہ تو دیدار الٰہی کو دنیا تو کیا بہشت میں بھی ناممکن سمجھتے ہیں لیکن جمہور علماء اور صوفیائے کامل اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا میں خواب میں دیدار ممکن ہے۔ حضرت مخدوم دیدار الٰہی کو بحالت بیداری بھی ممکن سمجھتے ہیں۔ اور اس پر حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور اولیاء چشتیہ متفق ہیں۔ حضرت مخدوم اس امکان کی صورت کی اس طرح تشریح فرماتے ہیں۔

"محمد یوسف الحسینی میگوید آفتاب را کہ تو می بینی چشم تو فیض از نور آفتاب می گیرد و بداں فیض چشم تو آفتاب را می بیند۔ کذالک بندہ را اگر خدائے تعالیٰ برا و رحمت خاص کند فیض از نور قدسی و صبوحی یابد از ایں چشم بدیں نور او را ببیند۔ پس ایں چشم ندید او را نور او دید پس ایں سخن راست آید لا یری اللہ غیر اللہ"

"محمد حسینی کہتا ہے کہ آفتاب کو جو تو دیکھتا ہے تو تیری آنکھ آفتاب ہی سے نور حاصل کرتی ہے اور اسی نور کے فیض سے تو آفتاب کو دیکھتا ہے۔ اسی طرح بندہ کو اگر خداوند تعالیٰ اس پر اپنی خاص رحمت نازل کرے تو اپنے نور قدسی وسبوحی سے فیض حاصل کرے اور اس آنکھ سے اس نور کی توسط سے اس کو دیکھ سکے

[1] رسالہ وجود العاشقین ص

پس اس کو اس آنکھ سے نہیں دیکھا بلکہ
خود اس کے نور نے اس کے نور کو دیکھا
پس یہ بات عین صداقت
سے ہے ۔ کہ خدا کو سوائے خدا کے
کوئی اور نہیں دیکھ سکتا "

مختصر یہ ہے کہ حضرت مخدوم کے پاس حقیقت کی تلاش صرف تصوف وسلوک کے راستہ ہی سے ممکن ہے ۔ اور تصوف عشق و محبت کا مجموعہ ہے یہی آپ کا مسلک ہے ۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ سنائی کے " الہٰی نامہ " میں اور عبد العزیز حکیم نسفی کی " تنزیل " میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مقام پر تمام لوگ اندھے تھے انہوں نے ہاتھی کے متعلق صرف سنا تھا لیکن کبھی دیکھنے کا موقع نہ ہوا تھا اتفاق سے ایک کارواں اس شہر پر اترا جن کے ساتھ ایک ہاتھی تھا چونکہ اندھوں کو ہاتھی دیکھنے کا شوق تھا اس لئے طے کیا کہ ان میں سے چار دانشمند ہاتھی کے قریب جاکر اس کو محسوس کریں ۔ چاروں دانشمند گئے ۔ ایک نے سونڈ پر ہاتھ پھیر کر سمجھ لیا کہ ہاتھی عمود کے مانند ہوتا ہے ۔ دوسرے نے کان پر ہاتھ رکھ کر سپر سمجھا ۔ تیسرے نے پیٹ کو چھو کر تخت سمجھا اور چوتھے نے پیر دیکھ کر اس کو ستون سمجھا ۔ چاروں اپنے محلے میں گئے اور کیفیت بیان کی تمام لوگوں نے اس پر اعتقاد کیا ۔ اتفاق سے دوبارہ جب اہل شہر جمع ہوئے تو ہاتھی کا ذکر نکلا ۔ ہر محلے والا اپنے دانشمند کے بتلانے پر ہاتھی کی تعریف کرتا اور دوسروں کی تکذیب ۔ بات بڑھی ۔ سب دانشمندوں کے پاس جمع ہوئے چاروں نے اپنے اپنے دلائل پیش کئے جو صحیح تھے ۔ چنانچہ ہر دانشمند کا ایک گروہ ہوگیا اور ان کا ہاتھی کے متعلق وہی عقیدہ رہا اسی طرح مسلمان فرقے آپس میں لڑتے ہیں اسی چیز کو حضرت نے واقعے کے پیرایہ میں سمجھا کر بیان کیا ہے کہ

" معتزلی باسنی اختلاف کند
" معتزلی اہل سنت والجماعت

هر یکی خصم را کافر و زندیق خواند۔
معتزلی خود را اہل عدل و توحید
نامد و سنی او را کافر گوید و ہر یکی
بدلیلی اثبات فرماید۔ معتزلی منقولی
و معقولی آرد۔ احتجاج بہ کتاب
اللہ و حدیث رسول کند۔ و اشکال
اربعہ و قضایائے منطق را دلیل و
برہان خود سازد۔ سنی معقول
و منقول آرد کہ صریح کتاب اللہ و
حدیث رسول اللہ بداں ناطق است
تاویلی گوید و سنی نیز معقولے و منقولے
اثبات کند و ..... ای مسلمانان گردش
خود را قرارے طلبید و خدائے را
شناسید چنانچہ لائق شناخت اوست
اتباع راہ صوفی کنید و انچہ پیر و مرشد
فرماید برآں روید۔ لعل اللہ یحدث
بعد ذالک امراً۔ تا پردہ کوری از چشم
تان برخیزد۔ ؎

سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ہر ایک دوسرے
کو کافر و زندیق کہتا ہے معتزلی خود
کو اہل عدل اور اہل توحید جانتا ہے
اور سنی اس کو کافر کہتا ہے اور ہر
ایک دلیل سے ثابت کرتا ہے۔ معتزلی
نقل و معقول لاتا ہے۔ کتاب اللہ اور
حدیث رسول سے اور اشکال اربعہ
اور منطق و دلیل و برہان کو اپنا
مقتضا بناتا ہے۔ سنی معقول و منقول
سے ثابت کرتا ہے کہ جو صریح کتاب
اللہ اور حدیث رسول پر ناطق ہے
اور تاویل کرتا ہے نیز معقول و منقول
سے ثابت کرتا ہے .....
اے مسلمانوں اپنی گردش کو
قرار پر رکھو اور خدا کو پہچانو جیسا کہ
اس کو پہچاننا چاہیئے صوفی کے راستہ
کا اتباع کرو اور جو کچھ پیر و مرشد بتائے
اس پر عمل کرو ..... تاکہ اندھے پن
کا پردہ تم پر سے اٹھ جائے۔

حضرت کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ فرقہ پرستی اچھی نہیں اگر کوئی صحیح راستہ بتا سکتا ہے تو وہ پیر کامل ہی ہو سکتا ہے۔ اور اگر کوئی صحیح ترین راستہ

؎ اسرار الاسرار ص ۲۶

ہو سکتا ہے تو وہ تصوف ہی کا ہے ۔ یہاں ممکن ہے یہ خیال پیدا ہو کہ تصوف جس کی طرف حضرت اشارہ فرما رہے ہیں کتاب اللہ اور اسلام سے کوئی اور چیز ہو گی ۔ لیکن یہ خیال غلط ہے تصوف خود اتباع رسول اور کتاب اللہ پر گامزن ہونے کا نام ہے اور پیر کو وہی درجہ حاصل ہے جو ایک استاد کو کسی فن میں حاصل ہوتا ہے ۔ چنانچہ خود حضرت فرماتے ہیں ۔

" بعضی طالبان دیوانگی کردہ اند ۔ مولہ شدہ اند ۔ قلندر شدہ اند ۔ برہمن و جوگی و بہر رہ شدہ اند مگر جائے یابند ۔ مطلوب در حجب غیرت و تتق عزت محتجب است ۔ بدینہا کسی نیافتہ است مگر در آں رہ کہ پیر فرمودہ و پیغامبر بود " [1]

" بعض طالبوں نے دیوانگی اختیار کی ہے ۔ مولہ ہو گئے ہیں قلندر ہو گئے ہیں برہمن و جوگی ہو گئے ہیں اور ہر راستہ اختیار کیا ہے کہ مقصود منزل حاصل ہو لیکن مطلوب پردہ غیرت و عزت میں ہے وہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکا ہے بجز اس راستہ کے جو پیر نے بتایا ہے اور پیغمبر نے سکھایا ہے "

یہ حضرت کے کارنامہ کا مختصر خلاصہ ہے ۔ خود حضرت کی زبان میں اس سے زیادہ کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ ..... دریاب

دریاب اگر تو عاقلی بشتاب اگر صاحب دلی
باشد کہ نتوان یافتن دیگر چنیں ایام را ۔

تمت بالخیر

---

[1] " خاتمہ " صفحہ ۸۲ فقرہ ۱۲۳ ...

حیاتِ بندہ نوازؒ

مصنف :-

احمد ادریس قادری

ایم اے ال ال بی (عثمانیہ)